رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری 100 دن کی

سنہری وصیتیں

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الحاج

جناب شیخ صالح بن عبدالرحمن الحصین



مکتبہ
حمد بن حنبل

ترجمہ پیرزادہ شفیق الرحمن شاہ الدراوی حفظہ اللہ

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری

100 دن کی

سنہری وصیتیں

تالیف

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الحاج حفظہ اللہ

جناب شیخ صالح بن عبدالرحمٰن الحصین حفظہ اللہ

ترجمہ: پیرزادہ شفیق الرحمٰن شاہ الدراوی حفظہ اللہ

مکتبہ احمد بن حنبل

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری 100 دن کی سنہری وصیتیں

ترجمہ: پیرزادہ شفیق الرحمن شاہ الدراوی حفظہ اللہ

ملنے کے پتے

- دارالمعرفہ ـــــ 2 فلور، الفضل مارکیٹ، اُردو بازار لاہور فون: 0321-4210145
- مکتبہ اسلامیہ ـــــ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 042 372 44 973
- کتاب سرائے ـــــ الحمد مارکیٹ، اردو بازار لاہور فون: 042 373 20 318
- مکتبہ قدوسیہ ـــــ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0321 40 45 775
- اسلامی اکیڈمی ـــــ الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور فون: 042 373 57 587
- نعمانی کتب خانہ ـــــ حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 042 373 21 865
- دارالکتب السلفیہ ـــــ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 042 373 61 505

سعودی عرب

- دار الوحیین للنشر والتوزیع ...... مرکز الجامع التجاری شارع باخشب ، جدہ ـ 026336640
- دار القبس للنشر والتوزیع ...... شارع امیر سطام ، البیعہ، ریاض ، ت ـ 02681045 ـ ف: 4351395
- مکتبہ دار الفرقان ...... ریاض ، ھاتف: 0507419921,0563064736,01-4358646
- مکتبہ بیت السلام ...... ھاتف: 0502033260,0505440147,01-4460129

جامعہ احیاء العلوم لبنات الاسلام مظفر آباد آزاد کشمیر +92-311-5113973

مرکز حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا حی الرحاب جدہ؛ سعودی عرب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیثِ مترجم

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على أشرف الانبياء و المرسلين نبينا محمد و على آله و صحبه أجمعين ؛ أما بعد!

قارئین گرامی القدر! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ:

اللہ عزوجل کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ وہ کسی نے کسی طرح ہماری اس خواہش کی لاج رکھے ہوئے ہے کہ ہماری وابستگی اس کے دین اور نبی کریم ﷺ کی سنت سے قائم و دائم رہے۔ جس انسان کو اللہ تعالیٰ یہ توفیق دیدیں یقیناً یہ اس پر بڑا احسان اور کرم نوازی ہے۔ جس پر جتنا بھی شکر بجا لایا جائے وہ کم ہے۔

زیر نظر کتاب ''رسول اللہ ﷺ کی وصیتیں'' عالم عرب کے دو ممتاز علماء شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الحاج اور جناب شیخ صالح بن عبدالرحمٰن الحصین حفظہ اللہ نے ترتیب دی ہے۔

حرم مکی شریف میں ادارہ ریاسۃ الحرمین کی طرف یہ کتاب عرب دان طبقہ میں مفت تقسیم کی جاتی ہے۔

ہم نے اس کتاب کو عوام الناس کے لیے مفید پایا۔ جس میں رسول اللہ ﷺ کے آخری ایام مبارکہ کی وصیتیں جمع کی گئی تھیں۔ پس مناسب یہ جانا کہ اردو دان طبقہ کے فائدہ کے لیے اس کتاب کا ترجمہ ہونا چاہیے۔

کتاب میں ترجمہ سے زیادہ ترجمانی کی کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ خیال رکھا گیا ہے کہ بلا ضرورت کوئی اضافی نوٹ نہ لگایا جائے۔ اور کتاب کے حجم کو ہر صورت میں کنٹرول میں رکھا

جائے تاکہ سنت رسول اللہ ﷺ کے محبین اگر چاہیں تو اس کتاب کو چھاپ کر یا خرید کر عوام میں مفت تقسیم یا احباب کو ہدیہ کر سکیں۔

حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اور احادیث مبارکہ سے محبت اور ان کے نشر و اشاعت کی مخلصانہ کوشش دنیا و آخرت میں کامیابی کا سبب ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ!

یارب! اے کریم و مہربان! جب تک زندہ رہیں تو تیرے محبوب کی تعلیمات عام کرتے رہیں؛ اور جب موت آئے تو تیرے محبوب کی شفاعت نصیب ہو۔ آمین

میری تمام احباب سے گزارش ہے اس کتاب کے ترجمہ میں یا دیگر کسی بھی لحاظ سے کوئی ملاحظہ ہو تو آگاہ کرنے میں بخل سے کام نہ لیں تاکہ اس کی تصحیح کی جاسکے۔

اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

وصلی اللہ علی نبینامحمد و علی آله و صحبه و بارك و سلم تسليماً كثيراً۔

خادم کتاب وسنت

آپ کا بھائی

پیرزادہ شفیق الرحمٰن شاہ دراوی

حال وارد؛ حرم مکی؛ مکہ مکرمہ

۱۰ دسمبر ۲۰۱۶ء۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على أشرف الانبياء و المرسلين نبينا محمد و على آله و صحبه أجمعين ؛
أما بعد!

اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے اس کتاب میں ہم نے وہ وصیتیں جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ پیارے رسول اکرم ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں امت کو کی تھیں۔

ہم نے زندگی کی ان گھڑیوں کو آخری سو ایام کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اور یہ سلسلہ ۲۵ ذی القعدہ ۱۰ ہجری سے شروع ہوتا ہے جب آپ ﷺ سفرِ حج کے لیے نکلے؛ اور اس کا اختتام بارہ ربیع الاول کو آپ ﷺ کی وفات پر ہوتا ہے۔

ہم نے ان وصایا کا انتخاب کرنے میں اس معیار کو مدنظر رکھا ہے:

۱۔ یہ کہ حدیث لفظ وصیت سے وارد ہو؛ جیسے اس حدیث میں ہے: "استوصوا بالنساء خيرا...... "عورتوں کے ساتھ بھلے سلوک کی وصیت کرتا ہوں؛ یا پھر اس کی اہمیت نبی کریم ﷺ کے بار بار اس کا حکم دینے سے واضح ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ بار بار فرمایا کرتے تھے: "الصلاة الصلاة"۔ نماز نماز؛ یعنی نماز نہ چھوڑنا۔

۲۔ یا اس دن کی صاف وضاحت ہو جس دن یہ وصیت کی گئی ہے۔ یا پھر اس وصیت میں ایسے قرائن موجود ہوں جو آخری وقت میں اس کے صادر ہونے پر دلالت کرتے ہوں۔

۳۔ یہ کہ وصیت کے مضمون سے امت کے بعض افراد کا اس میں خلل کا شکار ہونا ملاحظہ ہوتا ہو۔ جس کی موجودگی میں ہمیں یہ یقین ہوتا ہو کہ آپ ﷺ نے زندگی کے آخری لمحات میں اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کی تاکید کی ہے۔ اس لیے کہ عام عادت میں

وصیت کرنے والا آخری اوقات میں اہم ترین امور کی وصیت کرتا ہے۔ کیونکہ اسے اس کے فوت ہو جانے کا خوف اور اندیشہ ہوتا ہے۔

یہ معیار درج ذیل وصیتوں پر پوری مطابقت رکھتے ہیں:

۱۔ نماز کے بارے میں وصیت۔

۲۔ کتاب وسنت کے التزام کی وصیت

۳۔ آل بیت کے متعلق وصیت

۴۔ انصار کے متعلق وصیت

۵۔ حکمرانوں کی اطاعت کے متعلق وصیت

۶۔ مسلمان کی حرمت کے متعلق وصیت

۷۔ عورتوں کے حقوق کے متعلق وصیت

۸۔ خادموں کے متعلق وصیت

۹۔ امانت کے متعلق وصیت

۱۰۔ یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکالنے کے متعلق وصیت

۱۱۔ شرک سے بچنے کے متعلق وصیت

۱۲۔ بدعات سے اجتناب کرنے کے متعلق وصیت

۱۳۔ لڑائی جھگڑے سے بچنے کے متعلق وصیت

۱۴۔ سود کی ممانعت کے متعلق وصیت

۱۵۔ دعوت دین کے متعلق وصیت

ان میں سے ہر ایک وصیت کو ہم نے علیحدہ ذکر کیا ہے۔ اور اس کے شروع میں ہم میں نے سند کے ساتھ وہ نصوص ذکر کی ہیں جن پر ہمارا اعتماد رہا ہے۔ پھر اس کے بعد اس پر تبصرہ اور اس کی شرح کی ہے۔ اور پھر بعض مشہور مسلمان علماء اور شارحین حدیث اور مفسرین کا کلام ان نصوص کی تفسیر اور شرح میں ذکر کیا ہے۔ اور ہم نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ بلاوجہ

مضمون کو طوالت دینے سے گریز کیا جائے۔

اس سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ یہ کتاب سمجھنے میں آسان ؛ واضح اور ہر ایک کی رسائی تک موجود ہو۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ کریم و مہربان ہستی ہمیں اس خواہش کو پورا کرنے کی توفیق دے جس کا ہم قصد کیے ہوئے ہیں کہ امت کی خیر خواہی ہو؛ اور انہیں اس کتاب سے فائدہ ملے؛ اور [لوگ آسانی سے راہ ہدایت پر گامزن ہوں]۔

بیشک اللہ تعالیٰ ہی سیدھی راہ کی طرف ہدایت دینے والے ہیں۔ اور ان کے فضل و کرم سے ہی امیدیں برآنے میں کامیابی ملتی ہے۔

صلی اللہ تعالیٰ علی نبینا محمد و علی آلہ و صحبہ و سلم۔

پہلی وصیت:

نماز کے بارے میں وصیت

امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حاکم اور ابن حبان رحمہم اللہ سے حدیث انس رضی اللہ عنہ کی تخریج کی ہے، فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی آخری وصیت جس کی فکر جان کنی کی حالت میں بھی تھی اور بار بار بیان فرما رہے تھے، وہ وصیت یہ تھی:

''نماز، نماز، اپنے غلاموں اور ماتحتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو''۔

(یعنی ان کے حقوق ادا کرو)۔

سنن ابوداود، مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ کا آخری کلام یہ تھا: نماز، نماز، اور اپنے غلاموں اور ماتحتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو''۔

احمد، ترمذی، حاکم اور ابن حبان رحمہ اللہ نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آخری حج کیا، تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا:

''غور سے سنو! خبردار رہو، ہوسکتا ہے کہ تم لوگ مجھے اس سال کے بعد نہ دیکھ پاؤ، غور سے سنو! شاید کہ تم لوگ مجھے اس سال کے بعد نہ دیکھ پاؤ، غور سے سنو! شاید کہ تم لوگ مجھے اس سال کے بعد نہ دیکھ سکو، تو ایک طویل القامت آدمی کھڑا ہوا، گویا کہ وہ قبیلے کا تھا، اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! تو آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟''۔

اور مسند احمد کی روایت میں ہے: تو آپ ہمیں کیا ذمہ داری سونپ رہے ہیں؟

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے رب کی بندگی کرو اور پنج وقتہ نماز کا

اہتمام کرو اور رمضان المبارک کے روزے رکھو اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

نماز کا مقام:

نماز دین کا ستون ہے اور یہ شہادتین کی گواہی دینے کے بعد اسلام کا دوسرا رکن ہے اور علی الاطلاق اسلام کے عملی ارکان میں سے ایک عظیم ترین رکن ہے؛ جو کہ دین اسلام کا نمایاں ترین عملی امتیاز ہے۔ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"نماز ایمان باللہ کے بعد قوی ترین ارکان میں سے ہے؛ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿فَإِنْ تَابُوا وَ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ (التوبۃ: ۱۱)

"پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: "نماز دین کا ستون ہے"۔

پس جو شخص خیمہ لگانا چاہے وہ ستون سے ابتدا کرتا ہے۔ نماز دین کے ان اعلیٰ ترین مقام اور مراتب میں سے ہے جن سے کسی بھی پیغمبر کی شریعت خالی نہیں رہی"۔

اور فرمایا: "میں نے اپنے شیخ الامام الاستاد شمس الائمہ حلوانی رحمہ اللہ کو اللہ پاک کے اس ارشاد ﴿وَ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۝﴾ (طٰہٰ: ۱٤) کی تفسیر میں یہ کہتے ہوئے سنا:

"یعنی میں نے اس نماز کا ذکر ہر نبی مرسل پر اتاری گئی کتاب میں کیا ہے"۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر میں فرمایا:

﴿مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ۝﴾ (المدثر: ٤٢-٤٣)

"تمہیں کس چیز نے جہنم میں داخل کر دیا؟ وہ کہیں گے ہم نماز ادا کرنے والوں میں نہیں تھے۔"

یہ چیز اس کی تاکید پر دلالت کرتی ہے، پس جب (جہنم جانے کا) ابتدائی سبب نماز کا چھوڑنا ہے، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز ایمان کے بعد دوسرے درجہ پر ہے۔

لغت میں مصلی (نماز پڑھنے کی جگہ)، سواری میں پیچھے ہو جانے والے سے آگے بڑھ جانے والے کو کہتے ہیں۔

نماز کی عظمت اور بلند مقام و مرتبہ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نماز کی ادائیگی کسی بھی حال میں مسلمان سے ساقط نہیں ہوتی؛ سوائے اس کے کہ عقل جاتے رہنے کی وجہ سے وہ مکلف ہی نہ رہے، یا پھر عورت حیض اور نفاس والی ہو جائے۔

نماز مریض پر بھی اس کے حال کے اعتبار سے واجب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو، پس اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو پہلو پر لیٹ کر پڑھو''۔ (اخرجہ البخاری)

امن اور خوف ہر حال میں نماز کی ادائیگی واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾ (البقرۃ: ۲۳۹)

''پس اگر تم کو خوف ہو تو چلتے ہوئے یا سوار ہو کر پڑھو۔''

''یعنی اس حال میں نماز پڑھو جس میں آسانی ہو''۔

جب نماز کی ادائیگی کا وقت ہو تو اس کے وجوب کی ادائیگی ساقط نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ گھمسان کی لڑائی اور جہادی معرکہ میں بسالتوں کے جوہر دیکھاتے مجاہد کو بھی یہی حکم ہے کہ وہ نماز ادا کرے گا۔ اگرچہ اسے چلنا، دوڑنا یا دشمن کا اسلحہ سے مقابلہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

نماز اس میں رغبت رکھنے والوں کے لیے انسیت اور اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے لیے سکون اور اللہ تعالیٰ کے پرہیزگار دوستوں کے لیے راحت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِينَ﴾

(البقرۃ: ۴۵)

''اور (رنج و تکلیف میں) صبر اور نماز سے مدد لیا کرو اور بے شک نماز گراں ہے مگر ان پر نہیں جو ڈرنے والے ہیں۔''

مگر افسوس کہ امت مسلمہ اس نماز کی ادائیگی میں بہت واضح کوتاہی میں کا شکار ہے جو

کہ ہر زندہ دل رکھنے والے کے سامنے ظاہر ہے۔ مسلمانوں کے حالات میں غور وفکر کرنے والے کا دل اس عظیم عبادت کے حوالے سے ان کے سلوک پر پھٹا جا رہا ہے۔ لوگ اکثر و بیشتر اوقات مکمل طور پر نماز چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی بعض شرائط و اوقات میں کوتاہی کرتے ہیں۔ جبکہ نماز کے خشوع میں کوتاہی تو ایک عام سی بات سمجھی جاتی ہے۔

اگر اہل اسلام نماز کی صحیح معنوں میں قدر کرنے والے ہوتے اور اس کی بہترین طریقے سے ادائیگی کرتے تو یہ ان کے احوال کی درستگی کا سبب بنتی اور ان کے راستے کے سدھار کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین فرماتے ہیں:

﴿وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ۝﴾ (العنکبوت: ٤٥)

"اور نماز قائم کرو، بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔"

مسلمانوں کے حالات وواقعات میں غور کرتے ہوئے ان نمازیوں میں بہت سوں کو آپ دیکھیں گے کہ نماز کا ان کے طرز عمل پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ نمازیوں نے نماز کو خشوع سے بالاتر محض ظاہری ارکان کی ادائیگی سمجھ رکھا ہے، تو ایسی نمازوں سے پاکیزگی اور صلاح کا ثمرہ حاصل نہیں ہوتا۔ واللہ المستعان۔

نماز میں کوتاہی کے بعض واضح مشاہدات کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت نبی کریم ﷺ کی اس وصیت سے ظاہر ہوتی ہے جو کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں فرمائی تھی۔ پس یہ وصیت ایک بہت ہی بڑا اور اہم واجب ہے۔ حتیٰ کہ جب رسول اللہ ﷺ کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں؛ ان آخری لمحات میں بھی آپ نے اپنی امت کو نماز کے قائم کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں؛ اور اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ آمین

نماز کا حکم:

ابن رشد المالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فرضیت نماز کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے اور اس کی معرفت اس کے بارے میں کچھ بھی کہنے سے کافی ہے ❶۔"

---

❶ باجماعت نماز کے واجب ہونے کے دلائل: شریعت مطہرہ میں نماز کے جماعت کے ساتھ مسجد میں واجب ہونے پر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ کے دلائل موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:
﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ (42) خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَّقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ﴾۔[قلم ۴۲-۴۳]۔
"اور جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور ان کو سجدہ کے لئے بلایا جائیگا، اور وہ سجدہ کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے، ان کی نگاہیں نیچی ہونگی، اور ان پر ذلت چھارہی ہوگی، اور تحقیق ان کو سجدہ کرنے کے لئے بلایا جاتا تھا، اور وہ صحیح سالم تھے"۔
اس آیت کی تفسیر میں سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "کہ وہ حي على الصلاة- حي على الفلاح کی آواز سنا کرتے تھے، مگر اس پر لبیک نہیں کہتے تھے، اور وہ صحت مند وتندرست تھے"۔
کعب الاحبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اللہ کی قسم! یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو باجماعت نماز سے پیچھے رہ جاتے تھے"۔ پس اس سے زیادہ سخت بلیغ اور کون سی وعید ہوسکتی ہے، اس آدمی کے لئے جو باوجود قدرت ہونے کے باجماعت نماز میں شریک نہیں ہوتا۔
۲-: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ ۔[بقرہ ۴۳]۔ "نماز قائم کرو، زکواۃ ادا کرو اور رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کیساتھ"۔
یہ نماز کے باجماعت فرض ہونے، اور عام مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شرکت کرنے پر صریح نص ہے۔ اگر صرف نماز قائم کرنا مقصود ہوتا تو اتنا کہنا ہی کافی تھا: ﴿وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾۔ نماز قائم کرو۔
سنت سے دلیل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ ارشاد فرمایا: "تحقیق میں نے اس بات کا ارادہ کیا تھا کہ میں نماز کا حکم دوں، اور نماز قائم کی جائے، پھر ایک آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی جماعت کرائے، اور پھر خود چند ایسے آدمیوں کو لے کر نکلوں جن کے ساتھ آگ کے انگارے ہوں، ان لوگوں کی طرف جاؤں، جو نماز ادا کرنے کے لئے حاضر نہیں ہوتے، ان کے گھر آگ لگا کر جلادوں"۔[متفق علیہ۔] آگ سے گھر جلانے کی وعید صرف ترک واجب پر ہی ہوسکتی ہے۔
۳-: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس نے نماز کے لئے ندا سنی، اور بغیر کسی عذر کے وہ مسجد نہ آیا، اس کی وہ نماز قبول نہ ہوگی جو اس نے پڑھی"۔ ابوداؤد، ابن ماجہ/صحیح۔

نماز کے اوقات:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ (النساء: ١٠٣)

"بے شک نماز ایمان والوں پر ہمیشہ سے ایسا فرض ہے جس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔"

علامہ شوکانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"یعنی وقت محدود اور متعین کر دیا گیا ہے۔ تو وہ حتمی طور پر متعین ہو چکا ہے"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نمازیں فرض کیں اور ان کی فرضیت ان پر نماز کے محدود و متعین اوقات میں ہے، کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ نماز کو اس کے متعین کردہ وقت کے علاوہ پڑھے؛ سوائے شرعی عذر یا نیند کے غلبے یا بھول کی وجہ سے۔

اور وہ امور جو کہ نماز کے متعین وقت پر اور اس میں بغیر کسی تقدیم و تاخیر کے ادائیگی پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے حالت خوف میں بھی نماز کے متعین وقت کا ساقط نہ ہونا ہے۔ بالتحقیق اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر وقت پر نماز کی ادائیگی فرض کی ہے۔ حتی کہ حالت خوف اور میدان جنگ میں دشمن کے مدمقابل وقت میں بھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا﴾ (البقرة: ٢٣٨-٢٣٩)

"پابندی کرو نمازوں کی اور بالخصوص درمیانی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے فرماں بردار ہو کر کھڑے رہو۔ پھر اگر تمہیں ڈر ہو تو پیدل پڑھ لو یا سوار۔"

آپ ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اوقات میں نماز کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ جیسے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"نماز کو اس کے وقت پر پڑھو"۔ (اخرجہ البخاری)

پس مسلمان پر واجب ہوتا ہے کہ نماز کو اس کے متعین وقت پر ادا کرے اور اس کے اوقات سے تاخیر کرنا بغیر کسی عذر کے جیسے نیند یا بھول وغیرہ گناہ کبیرہ ہے۔ بلکہ بعض اہل علم کے نزدیک تو اس کا حکم نماز چھوڑنے کے حکم میں ہے اور تاخیر کرنے والے کا حکم نماز چھوڑنے والے کے حکم جیسا ہے۔

پس اے میرے مسلمان بھائی! نماز کو اس کے وقت سے موخر کرنے [دیر کر کے پڑھنے] سے بچو۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی پڑھتے رہنا چاہیے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۝﴾ (الماعون: ٤-٥)

"پس بربادی ہے نمازیوں کے لیے۔ جو کہ اپنی نماز سے سستی برتتے ہیں۔"

امام قرطبی رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں؛ فرمایا:

"نماز میں سستی کا مطلب ہے کہ جو نماز کو اس کے وقت سے موخر کرتے ہیں۔"

نماز کے آداب:

۱۔ اللہ کے لیے اخلاص نیت کا ہونا، یقیناً نماز میں دکھلاوا منافقین کی صفات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کا ان کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا۝﴾ (النساء: ١٤٢)

"یہ منافقین لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے مگر تھوڑا۔"

۲۔ نماز کے لیے طبیعت میں چستی اور فرصت کا ہونا، سستی اور نماز کو بوجھ سمجھنا منافقین کی صفات میں سے ہے اللہ تعالیٰ کا ان کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى﴾ (النساء: ١٤٢)

"اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں۔"

۳۔ بعض کاموں کے ذریعے سے نماز کی خوب اچھی تیاری کرنا ان میں سے:

(ا) اچھے کپڑے زیب تن کرنا۔

(۲) فرض نماز سے پہلے مسنون نوافل پڑھنا۔

(۳) دماغ کو انتشار اور تشویش میں ڈالنے والے اسباب سے دور رکھنا، جیسا کہ کھانے کی موجودگی میں یا خوب گرمی یا خوب سردی میں نماز پڑھنا۔

(۴) مردوں کا باجماعت نماز پڑھنا۔

صحیح صحت مند اور پرامن انسان (جسے کسی درندے، دشمن وغیرہ کا خوف؛ یا باجماعت نماز سے کوئی چیز مانع نہ ہو) تو اس شخص پر باجماعت نماز ادا کرنا واجب ہے۔ باجماعت نماز کے واجب ہونے کی ایک دلیل اس نابینا صحابی رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے جس نے آپ ﷺ سے اپنے گھر کے دور ہونے اور کوئی ایسا شخص موجود نہ ہونے کی شکایت کی جو ان کو اپنی راہنمائی میں مسجد لے جا سکے؛ تاکہ وہ باجماعت نماز ادا کر سکے؛ اور اس نے باجماعت نماز سے رخصت چاہی؛ تو جب آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟

تو انہوں نے عرض کیا: جی یا رسول اللہ ﷺ!

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تو جماعت کی نماز میں حاضر ہوا کر''۔[متفق علیہ]

اور وہ حدیث جس میں آپ ﷺ نے بلا عذر جماعت چھوڑنے والوں کے گھر جلانے کے بارے میں شدید غم وغصہ کیا بیان ہے۔ یہ حدیث بھی صحیح بخاری میں روایت کی گئی ہے۔ مگر آپ ﷺ کا ایسا نہ کرنا صرف عورتوں اور بچوں کی حفاظت کی وجہ سے تھا۔

جو امور جماعت کی رفعت شان اور اس کی اہمیت پر واضح دلالت کرتے ہیں ان میں سے حالت خوف میں بھی جماعت کا ساقط نہ ہونا ہے اور جماعت حالت جنگ اور حالت خوف میں بھی مشروع ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا۟ أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا۟ فَلْيَكُونُوا۟ مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا۟ فَلْيُصَلُّوا۟ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا۟ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَ

اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ (النساء: ۱۰۲)

''اور جب آپ ان لوگوں میں ہوں اور ان کے ساتھ جماعت کروائیں تو چاہیے کہ ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور وہ لوگ اپنا اسلحہ لے لیں، پس جب وہ لوگ سجدے میں جائیں تو (اسلحہ والے) تمہارے پیچھے ہوں اور دوسرا گروہ جس نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی آ جائے اور دوسرا گروہ اپنے بچاؤ کا سامان اور اسلحہ لے لیں، کافر لوگ چاہتے ہیں کہ جیسے ہی تم اپنے اسلحہ اور جنگی ساز وسامان سے غافل ہو تو تم پر یکبارگی سے حملہ کر دیں اور تم پر اس بات کا کچھ گناہ نہیں کہ تمہیں کوئی تکلیف ہو بارش کی وجہ سے یا تم بیمار ہو تو تم اپنا اسلحہ اتار دو اور اپنے بچاؤ کا سامان لے لو، بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

یہ بات آپ ﷺ کے اصحاب کے ذہنوں میں بالکل راسخ ہو چکی تھی حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نماز کی جماعت چھوڑنے والے کو منافق شمار کرتے تھے اور ان میں سے کوئی تو اپنے آپ کو مشقت میں ڈال کر بھی جماعت میں حاضر ہوتا تھا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول غور سے سنیے:

''جو شخص یہ چاہتا ہو کہ کل قیامت کے دن اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں مسلمان بن کر حاضر ہو وہ ان نمازوں کو ان مقامات پر ادا کرنے کا اہتمام کرے جہاں سے اذان ہوتی ہو (یعنی مساجد میں)۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہ نے تمہارے نبی کے لیے ایسی سنتیں جاری فرمائی ہیں جو سراسر ہدایت ہیں، انہی میں سے ایک با جماعت نمازیں بھی ہیں۔ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے جیسا کہ فلاں شخص پڑھتا ہے تو تم نبی کریم ﷺ کی سنت کو چھوڑنے والے بن جاؤ

گے اور یہ سمجھ لو کہ اگر نبی اکرم ﷺ کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔
اور جو شخص اچھی طرح سے وضو کرے اور پھر مسجد کی طرف جائے تو اس کے نامہ اعمال میں ہر ہر قدم پر ایک ایک نیکی لکھی جائے گی۔ اور ایک ایک خطا معاف ہو گی۔ اور ہم تو اپنا حال ایسا دیکھتے تھے کہ جو شخص کھلم کھلا منافق ہوتا صرف وہی با جماعت نماز سے پیچھے رہ جاتا تھا۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عام منافقوں کی بھی جماعت کی نماز چھوڑنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، یا پھر کوئی سخت بیمار ہو، ورنہ جو شخص دو آدمیوں کے سہارے گھسٹتا ہوا جا سکتا تھا وہ بھی لا کر صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا''۔

۵۔ نماز کے اقوال اور افعال میں سنت کو اختیار کرنا حتیٰ کہ ایک مسلمان کے لیے مصطفیٰ ﷺ کے اس حکم کی بجا آوری ہو سکے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

''نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو۔'' [بخاری]

۶۔ نماز میں خشوع اور دلی توجہ رکھنا نماز کے عظیم ترین آداب میں سے ہے۔ بلکہ نماز کا مغز و جوہر اور اس کا افضل ترین ادب اور روح خشوع اور دلی توجہ ہے؛ جس کی وجہ سے نماز کے ثمرات مثلاً: تقویٰ اور جملہ اچھے اخلاق اور عالیشان عادات حاصل ہوتے ہیں؛ اور ہر برائی اور بے حیائی اور ناشائستہ بات سے دوری پیدا ہوتی ہے۔ خشوع و خضوع اور دلی توجہ کے ساتھ ادا کی گئی نماز پر ہی ثواب کی امید کی جاتی ہے؛ اور یہ ثواب بندے کو اس کے خشوع اور حضور قلب کے بقدر حاصل ہوتا ہے، اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝﴾

(المومنون: ۱-۲)

''بالتحقیق وہ مومنین کامیاب ہو گئے جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں۔''

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

''جب آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اس کے لیے ثواب کا دسواں حصہ رکھا جاتا

ہے اسی طرح بعض کے لیے نواں حصہ، بعض کے لیے آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھا، تہائی اور بعض کے لیے آدھا حصہ رکھا جاتا ہے"۔[أبوداؤد؛ طبرانی]

اور ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ:

"سب سے پہلے دین میں سے خشوع اٹھایا جائے گا"۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اس امت میں سب سے پہلی چیز جو اٹھائی جائے گی وہ خشوع ہوگا حتیٰ کہ تم مسجد کی نماز میں کسی کو خشوع سے نماز پڑھتا نہیں دیکھ سکو گے"۔

(قال الهيثمي في مجمع الزوائد: اسناده حسن)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"وہ زمانہ قریب ہے کہ تم مسجد میں داخل ہو گے اور اس میں کسی ایک کو بھی خشوع والا نہ دیکھو گے"۔[أخرجہ الامام أحمد]

درحقیقت حقیقی خشوع دو چیزوں سے مل کر بنتا ہے:

۱۔ پہلا جزء ظاہری عمل: یعنی نماز میں اعضاء سے سکون اور اطمینان کا ظاہر ہونا اور نظر کا ادھر ادھر نہ پھرنا ہے۔

۲۔ دوسرا جزء باطنی عمل: یعنی نماز میں دل کا حاضر ہونا ہے تاکہ نمازی نماز میں ہر قول وفعل کو یاد رکھ [سمجھ] سکے تو نتیجتاً اس سے وہ اپنی دنیا وآخرت میں مستفید ہوگا۔

اور یہاں کچھ ایسے عوامل اور اسباب ہیں جو خشوع لانے کے لیے معاون اور مددگار ہوں گے۔ اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ إِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۝﴾ (العنكبوت: ٦٩)

"اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ہم ضرور بالضرور ان کو اپنے راستے دکھا دیتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہیں"۔

ان میں سے کچھ اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ نماز کے لیے مکمل طور پر ہر طرح سے بہترین تیاری کرنا جیسے مکمل پاکیزگی، پاک صاف کپڑے زیب تن کرنا اور نماز پڑھنے کے لیے مناسب جگہ اختیار کرنا۔

۲۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہونے کا خوف اور اس سے راز و نیاز کرنا کیونکہ نمازی نماز میں اپنے رب کے سامنے کھڑا اس سے راز و نیاز کر رہا ہوتا ہے۔

۳۔ دل کو بار بار حاضر کرنے میں مجاہدہ کرنا۔

۴۔ اللہ پاک سے شیطان مردود کے شر سے پناہ مانگنا۔

۵۔ قرآن میں سے جو سورت تلاوت کر رہا ہو؛ جو بھی ذکر کر رہا ہو اس میں تدبر کرنا۔

۶۔ نماز کی حرکات میں غور اور یہ کہ کس طرح یہ حرکات عاجزی و انکساری اور اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع ظاہر کرتی ہے۔

۷۔ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا اور خوش الحانی سے تلاوت کرنا۔

دوسری وصیت:

کتاب وسنت کا التزام

۱۔ امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ان کے والد محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں؛ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کی طویل حدیث روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بمقام نمرہ خطبہ دیا۔ جس میں آپ ﷺ کے حج کے بارے میں تفصیل ہے۔ اس خطبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

''میں تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جب تک تم انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے گمراہ نہ ہو گے؛ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب؛ اور اگر تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے تو تم کیا کہو گے؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''ہم اس بات کی گواہی دیں گے کہ آپ نے دین پہنچا دیا اور امانت ادا کر دی اور امت کو نصیحت کر دی۔''

۲۔ بیہقی اور حاکم رحمہما اللہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تخریج کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''میں تم لوگوں میں دو ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جب تک تم انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے تو ہرگز کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت''۔

۳۔ بیہقی اور حاکم رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں تم لوگوں میں دو ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ ان کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری سنت، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے حتیٰ

کہ دونوں میرے پاس حوض پر آ جائیں۔"

۴۔ امام مالک رحمہ اللہ کی موطا میں ہے کہ انہیں یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میں تم لوگوں میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک ان کو تھامے رہے کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت"۔

۵۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے؛ فرماتے ہیں:

"ایک دن آپ ﷺ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک کنویں پر جسے خم کہا جاتا تھا، ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لیے تشریف لائے، تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور وعظ فرمایا اور نصیحت فرمائی، پھر ارشاد فرمایا:

"اما بعد! لوگو! غور سے سنو! بیشک میں بھی ایک انسان ہوں ہوسکتا ہے عنقریب میرے رب کا فرستادہ آ جائے اور میں چلا جاؤں۔ میں تم میں دو بیش قیمت خزانے چھوڑ رہا ہوں، ان میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس میں نور ہدایت ہے، بس تم اللہ تعالیٰ کی کتاب پکڑ لو اور اسے مضبوطی سے تھام لو اور پھر آپ علیہ السلام نے کتاب اللہ پر ابھارا اور اس کی ترغیب دی۔ پھر فرمایا: اور دوسرا خزانہ اہل بیت ہیں، آگاہ رہو! میں تم کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ یاد دلاتا ہوں، میں تم کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ یاد دلاتا ہوں۔"

تو حضرت زید رضی اللہ عنہ سے حصین رحمہ اللہ نے فرمایا: اے زید! پھر ان کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟

تو حضرت زید رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اہل بیت میں سے ہیں؛ مگر آپ ﷺ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے وصال کے بعد صدقہ حرام ہو گیا"۔ حضرت حصین رحمہ اللہ نے عرض کیا تو پھر وہ کون لوگ ہیں؟

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "وہ آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس رضی اللہ عنہم

ہیں۔" حضرت حصین رحمہ اللہ نے عرض کیا: کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں"۔

تمہید:

یہ وصیت دونوں قسم کی وحی سمیت (قرآن وسنت) بیشتر آیات میں قرآن کریم کی وصیت کے مطابق ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ﴾ (الانفال: ۲۰)

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی نہ کرو پیٹھ مت پھیرو حالانکہ تم اسے سن رہے ہو۔"

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (النساء: ۵۹)

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو بات مانو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اور تم میں سے حکمرانوں کی، پس اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرنے لگو تو اس بات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ بات بہتر اور انجام کے اعتبار سے اچھی ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ○ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (البقرة: ۱۲۸-۱۲۹)

"اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری نسل میں سے آپ کی فرمانبردار امت بنا اور ہمیں ہمارے حج کے ارکان بتلا اور ہماری توبہ قبول فرما بے شک آپ سننے والے اور جاننے والے ہیں۔ اے ہمارے رب اور بھیجے ان میں ایک رسول جو انہی میں سے ہو جو ان کو آپ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب و حکمت سکھائے اور انہیں (گناہوں اور برے اخلاق سے) پاک کرے، بے شک آپ ہی زبردست حکمت والے ہیں۔"

اور حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (آل عمران: ۱٦٤)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان کیا مومنین پر جبکہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو (گناہوں سے) پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت (سنت) سکھاتا ہے اگرچہ یہ لوگ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔"

اور ارشاد باری ہے:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا﴾ (الاحزاب: ۳٤)

"(ازواج مطہرات) جو تمہارے میں قرآنی آیات اور حکمت نبی میں سے پڑھا جاتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین بھیدوں کو جاننے والا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا

وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾ (النجم : ۲-۴)

”تمہارا ساتھی نہ گمراہ ہوا ہے نہ بہکا ہے اور نہ ہی وہ اپنی مرضی سے کچھ بولتا ہے۔ بلکہ یہ تو ایک وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔“

پس قرآن کریم اور اس کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی سنت مطہرہ (آپ کے اقوال و افعال اور تقریری اعمال) دین اسلام میں عقیدہ اور شریعت کا سرچشمہ ہیں۔ مسلمان جب تک اس کو تھامار ہے کبھی بھی گمراہ نہ ہوگا اور جیسا کہ علامہ مناوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فیض القدیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے:

”میں تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جن کے بعد تم کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے وہ کتاب اللہ اور میری سنت ہے، یہاں تک دونوں میرے پاس حوض کوثر پر آجائیں۔“ فرماتے ہیں کہ: ”بے شک یہ دونوں وہ اصول ہیں کہ نہ تو ان سے انحراف کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کے بغیر کوئی ہدایت والا اور کامیاب ہے۔ عصمت وتحفظ صرف اور صرف اس کو مضبوطی سے پکڑنے والے اور اس کی رسی کو تھامنے والے کے لیے ہے اور یہ دونوں بالکل واضح اور نمایاں دلیل قاطع ہیں۔ پس قرآن پاک کی طرف رجوع دین سے بالضرورۃ ثابت اور یقینی ہے۔“

بے شک قرآن وسنت میں ہدایت اور نور ہے اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر : ۹)

”بے شک ہم نے اس نصیحت کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

ان دونوں میں تمام مسائل ومشکلات کا حل ہے، اختلافِ زمان اور تغیر مکان کے باوجود یہ (کتاب وسنت) کڑی سے کڑی مصیبت کا حکمت سے سامنا کرتے ہیں۔

سیاسی اور اقتصادی، اجتماعی اور انفرادی اعتبار سے یہ (کتاب وسنت) زندگی

کے تمام شعبوں کو گھیرے ہوئے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: آپ کے نبی ﷺ نے آپ لوگوں کو سکھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی؛ حتیٰ کہ قضائے حاجت کا طریقہ بھی بتا گئے؟

تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

"بالکل ایسا ہی ہے، ہمیں آپ علیہ السلام نے قضائے حاجت کے وقت قبلے کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے سے منع فرمایا اور اس بات سے بھی کہ ہم دائیں ہاتھ یا تین سے کم ڈھیلوں یا گوبر ہڈی سے استنجا کریں"۔[مسلم]

قرآن کریم کا مقام:

کوئی ذی روح قرآن کا اس طرح وصف بیان نہ کر سکا جو کہ قرآن نے خود کو بیان کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى﴾ (الرعد: ۳۱)

"اور کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعے پہاڑ چلائے جاتے، زمین جلدی جلدی طے ہو جاتی یا اس کے ذریعے سے مردوں کے ساتھ کسی کو باتیں کروا دی جاتیں" (تو اس قرآن سے ایسا ہو سکتا؛ مگر تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے)۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الاسراء: ۸۲)

"اور ہم قرآن پاک میں ایسی چیزیں اتارتے ہیں جو مومنین کے حق میں سراسر شفاعت اور رحمت ہوتی ہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ

خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾

(الحشر: ۲۱)

''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو اے مخاطب! تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دبے جاتا اور پھٹ جاتا اور ان مضامین عجیبہ کو ہم لوگوں کے نفع کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں۔''

اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (الزمر: ۲۳)

''یہ ایسی کتاب ہے جو باہم ملتی جلتی ہے بار بار دہرائی گئی ہے جن سے ان لوگوں کے بدن کانپ اٹھتے ہیں جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔''

اور خالق اپنے کتاب کے وصف میں کلام کے بعد شاید تمام تر انسانیت میں بلیغ ترین کلام وہ ہے جو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے اس قول میں مروی ہے:

''اللہ تعالیٰ کی اس کتاب میں تم سے پہلوں کے واقعات اور تمہارے بعد والوں کی پیشین گوئی ہے اور تمہارے آپس میں جو فیصلے کیے جاتے ہیں وہ موجود ہے، یہ صحیح اور قطعی کلام ہے نہ کہ مذاق۔ یہی وہ کتاب ہے جس سے نہ تو دل خواہشات سے منحرف ہوتے ہیں اور نہ علماء (اس کو پڑھ کر یا اس کے معانی و مطالب میں غور کرنے سے) سیر ہوتے ہیں، اور نہ ہی بکثرت اور بار بار پڑھنے سے پرانا اور بدمزہ ہوتا ہے۔ اور اس کے عجائب کبھی نہ ختم ہونے والے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جو اسے تکبر کرتے ہوئے چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا اور جو اس کے علاوہ کسی اور چیز میں ہدایت ڈھونڈے گا اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کر دے گا، یہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور پر حکمت اور نصیحت ہے یہی سیدھا

راستہ ہے یہ وہ کتاب ہے کہ جس نے اس پر عمل کیا اسے اجر ملا اور جس نے اسے قانون بنا کر فیصلہ کیا اس نے برملا عدل کیا اور جس نے اس قرآن کی طرف دعوت دی تو اس کی بھی بدلے میں سیدھے راستے کی طرف راہبری کی گئی۔" (البدایۃ والنہایۃ: ۱/۷)

سنت کا مقام:

سنت رسول اللہ ﷺ شریعت اسلام کا دوسرا ماخذ ومنبع ہے۔ سنت مطہرہ قرآن کی تفسیر اور اس میں جو مخفی احکام کی تشریح اور وضاحت کرتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (النحل: ٤٤)

"اور ہم نے آپ کی طرف نصیحت اتاری تاکہ آپ لوگوں کو بتائیں جو ان کی طرف اتارا گیا ہے، (تاکہ یہ لوگ غور کریں)۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ (النساء: ٥٩)

"پس اگر تم کسی بات میں جھگڑو تو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ۔"

امام ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"یعنی آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ان سے (اختلافی امر کے بارے میں) پوچھنا اور ان کی وفات کے بعد ان کی سیرت طیبہ میں اس کا حل ڈھونڈنا"۔

ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمارے علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ:

"کسی اختلافی امر یا مسئلہ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ڈھونڈو اور اگر اس میں نہ ملے تو سنت رسول ﷺ میں اس کا حل ڈھونڈو"۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر: ۷)

"اور رسول تمہیں جو احکام دیں انہیں قبول کر لو (اس پر عمل کرو) اور جس کام سے تم کو روک دیں اس سے رک جاؤ۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (النور: ۶۳)

"پس چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ جو آپ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اس بات سے کہ انہیں دنیا میں کوئی مصیبت یا آخرت میں دردناک عذاب پہنچ جائے۔"

اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی یہ معنی مراد لیے ہیں۔ پس اس حدیث میں بھی یہی ہے جو کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ کا ان کو یمن بھیجنے کا ارادہ ہوا تو فرمایا:

"جب تمہیں کوئی فیصلہ کرنا پڑے تو کیسے فیصلہ کرو گے؟

تو انہوں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بنیاد بنا کر فیصلہ کروں گا۔

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اور اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو؟

تو انہوں نے عرض کی: تو پھر سنت رسول ﷺ کے ذریعے سے فیصلہ کروں گا"۔

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:" اور اگر کتاب اللہ اور سنت رسول دونوں میں تمہیں حل نہ ملا تو؟

تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:" پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا پس اس میں کسی بھی قسم کی کسر نہ چھوڑوں گا۔

تو آپ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا:

"شکر ہے اللہ کا جس نے اپنے رسول کے نمائندہ کو اس بات کی توفیق دی جس

سے رسول راضی ہو گیا ہے۔"

قرآن وسنت کی حفاظت:

اس امت پر اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم اور اس کی خاص رحمت میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے اپنی کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ٥﴾ (الحجر: ۹)

"بے شک ہم نے اس نصیحت کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قرآن پاک کو حفاظت کرام کے سینوں (یاد کیے ہوئے) اور مختلف جگہ پر لکھے ہوئے کو ایک جگہ جمع کرنا، اور آپ علیہ السلام کی وفات کے ۱۲ سال بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قرآن پاک کو حرف واحد (ایک طریقہ قراءت) پر جمع کرنا اور اس کی کتابت کروانا اس آیت شریفہ کا مصداق ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی اس تحریف وتباہی اور ضائع ہونے سے حفاظت فرمائی جو کچھ دوسرے مذاہب کی کتب کو پیش آیا۔ تمام ادیان میں واحد یہی کتاب ہے جو کہ نبی اکرم ﷺ تک صحیح سند سے ثابت و تحقیق شدہ ہے اور اتنے طویل عرصے میں اس میں کوئی تحریف یا تبدیلی نہیں ہو سکی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اپنے نبی علیہ السلام کی سنت مطہرہ کی توثیق اور مضبوطی کی توفیق اس طرح دی کہ اس امت نے سنت کے علماء کی پیروی ایک ایسے منہج کے طور پر کی کہ جس کی کوئی مثال نہ ہی اگلے لوگوں میں ملتی ہے اور نہ ہی کوئی بعد میں آنے والے ایسی مثال پیش کر سکیں گے۔ پس اس طریقہ ومنہج کے فضل و برکت سے صحیح، ضعیف، مرفوع، موقوف، متصل، منقطع، ناسخ اور منسوخ حدیث کے درمیان تمیز وفرق کرنا بہت آسان ہو گیا۔

یہ اتنا عظیم تر کام اور خدمت ہے کہ اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی ہر کوئی اس کی باریکیوں کا اندازہ کر سکتا ہے۔ اس کی تہہ و گہرائی تک صرف وہی پہنچ سکتا ہے جو ان

لوگوں میں سے ہو جنہوں نے اپنے اوقات کا بیشتر حصہ محدثین کے افعال و احوال کی تحقیق و نظر اور ان کی سیرت اور تالیف شدہ کتاب کے مطالعہ میں صرف کیا ہو۔

درحقیقت یہ امت اپنے مآخذ و مصادر کی صحت اور ان کی حفاظت و توثیق کی وجہ سے ایسی امتیازی حیثیت رکھتی ہے جو کہ اس زمانے میں پھیلے کسی بھی دوسرے مذہب کو حاصل نہیں۔ پس واحد اسلام ہی وہ منفرد دین ہے جس کے پیروکاروں کو اس نبی کی شخصیت اور ان کی سیرت کی گہرائیوں اور ان کی عام اور...... زندگی کا بھی کامل یقین ہے کہ ان کی لائی گئی اصل کتاب میں نہ تو کسی قسم کی تبدیلی تغیر رونما ہوگا اور نہ ہی کمی بیشی ہوگی۔

جبکہ دوسرے ادیان کے بارے میں ہر خبر گیر ان کی تاریخ سے واقف ہے کہ ان کے پیروکار کو اس بات کا بھی علم نہیں کہ اس دین کی بنیاد ڈالنے والوں کا اصل زندگی میں بھی کوئی نام ونشان ہے یا نہیں؟ اور نہ ہی انہیں ان کے انبیاء کی طرف مقدس کتب کے منسوب ہونے کی کوئی مستقل سند کا علم ہے۔ ہاں البتہ ان کے یہاں ان کتب کا تحریف شدہ ہونا اور تضاد اور اختلاف کا موجود ہونا اور آگے پیچھے ہر طرف سے باطل کتب کے قریب ہونا یقینی ہے۔

قرآن وسنت کے تھامنے میں بے پرواہی و بے اعتنائی:

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے خدشہ ظاہر فرمایا تھا کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اس امت میں کتاب اللہ اور سنت رسول سے مستفید ہونے میں کوتاہی پائی گئی اور اس طرح ان سے ہدایت طلب کرنے میں کوتاہی رہی جو کہ معروف ہے کسی تفصیل کا محتاج نہیں اور بالخصوص سنت نبوی کے معاملہ میں تو اس امت میں بعض ناقص العلم اور نفس پرست پیدا ہوئے ہیں اور انہوں نے وحی کی دونوں اقسام یعنی کتاب وسنت میں ان کی پیروی کے وجوب اور ان کو مضبوطی سے تھامنے کے درمیان فرق کرنے کی کوشش کی اور یہ دعویٰ کیا کہ علم اور عمل میں سنت چھوڑ کر صرف قرآن ہی کافی ہے اور بالتحقیق اس بات کا خدشہ نبی کریم ﷺ نے بھی ظاہر فرمایا، جیسا کہ حضرت مقدام بن معدیکرب سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''ایسا زمانہ قریب ہے کہ ایک آدمی اپنے تخت پر بیٹھا ہوا ہوگا، لوگوں کو میری حدیثیں سنا کر کہنے لگ جائے گا۔ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے، لہٰذا ہم جو کتاب اللہ میں حلال پائیں گے، انہیں ہم حلال سمجھیں گے اور جو اس میں حرام پائیں گے انہیں ہم حرام سمجھیں گے۔ آگاہ رہو! رسول اللہ (ﷺ) نے جو حرام کیا ہے وہ اس کی طرح نہیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام کیے ہیں''۔

(رواہ ابو داؤد، و ابن ماجہ، و الترمذی، و قال حدیث حسن صحیح)

برادرانِ اسلام! ذرا اس طرح کے بیشتر امور کی تردید میں حق سبحانہ وتقدس کے یہ ارشادات ملاحظہ فرمایئے:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی درحقیقت اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی''۔

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (آل عمران: ۳۱)

''اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت قائم رکھنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سب سے محبت فرمائے گا''۔

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾ (الاحزاب: ۳۶)

''اور کسی بھی مومن مرد یا مومنہ عورت کے لیے یہ بات کسی بھی صورت میں جائز نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ فرما دیں تو (اس کے بعد) اس کے لیے اپنے کام میں کوئی اختیار باقی رہ جائے، اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی پس وہ صریح گمراہ ہوگیا''۔

﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل: ۴۴)

”تاکہ آپ لوگوں کو وہ احکام بتلائیں جو کہ ان کی طرف اتارے گئے۔“

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

(النساء: ٦٥)

”پس قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ اس وقت تک (دل سے) ایمان نہیں لائیں گے جب تک یہ لوگ آپ کو ان باتوں میں حکم نہ بنا لیں جس میں ان کا آپس میں اختلاف ہے اور پھر آپ ان کے لیے جو فیصلہ فرما دیں اس کے بارے میں یہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور مکمل طور پر سر تسلیم ختم کر لیں۔“

درحقیقت اس امت میں پڑنے والا فکری و عملی انحراف ان دو بیش قیمت خزانوں یعنی وحی کی دونوں اقسام (قرآن وسنت) کے تھامنے میں لاپرواہی و بے اعتنائی اور ان سے انحراف اور ان کے علاوہ باقی مصادر معرفت وفکر ان پر ترجیح، اور اس بات سے غفلت کہ حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو ہے جبکہ باقی تمام مخلوق اس کے مقابلے میں لاعلم اور یہ کہ وحی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے یہاں سے آتی تو یہ لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے وغیرہ کے سبب واقع ہوا ہے۔

تیسری وصیت:

اہل بیت کے بارے میں وصیت

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں یزید بن حیان سے باسند بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''میں حصین بن سبرہ اور عمر بن مسلم زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب ہم ان کے حضور بیٹھے تو حصین کہنے لگے: جناب زید! آپ کو بہت فضیلت حاصل ہے۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے آپ کی باتوں کو سنا ہے، آپ کے ساتھ مل کر غزوہ کیا ہے، آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ غرض! آپ کو بہت سے فضائل حاصل ہوئے ہیں، تو جناب محترم! ہمیں چند باتیں بیان فرمائیں جو آپ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنی ہوں۔''

تو وہ فرمانے لگے: ''بھتیجے! اللہ کی قسم! میری عمر بڑی ہوگئی ہے۔ آپ سے ملاقات کو عرصہ دراز ہوگیا ہے۔ ہوسکتا ہے آپ ﷺ سے سنی ہوئی بعض باتیں بھول بھی گئی ہوں۔ لہٰذا میں جو کچھ تمہیں بیان کروں اسے ہاتھوں ہاتھ لینا اور جو بیان نہ کرسکوں اس میں مجھے معذور سمجھنا۔'' پھر کہنے لگے: ''ایک دن رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان غدیر خم کے مقام پر خطاب فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد کچھ وعظ ونصیحت کی۔ پھر فرمایا:

((أَمَّا بَعْدُ: أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ! فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُولُ رَبِّي فَأُجِيبَ، وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ: أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيهِ الْهُدٰى وَالنُّورُ، فَخُذُوا بِكِتَابِ اللّٰهِ، وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ، فَحَثَّ

عَلَيْكِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيهِ ، ثُمَّ قَالَ: وَاَهْلُ بَيْتِي ، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي اَهْلِ بَيْتِي ، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي اَهْلِ بَيْتِي ، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي اَهْلِ بَيْتِي . ❶))

''اے لوگو! میں ایک انسان ہوں، بہت ممکن ہے کہ میرے رب تعالیٰ کی طرف سے بلانے والا میرے پاس آ جائے اور میں لبیک کہہ دوں۔ میں تم میں دو اہم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان میں سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا'' پھر آپ نے لوگوں کو کتاب اللہ کی طرف رغبت دلائی۔ پھر آپ نے فرمایا: ''دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کی بابت اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کی بابت اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں۔''

حصین نے ان سے پوچھا: ''جناب زید! نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی بیویاں اہل بیت سے نہیں؟ وہ کہنے لگے'' آپ کی بیویاں آپ کے اہل بیت تو ہیں مگر اصل اہل بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔'' حصین نے کہا: ''وہ کون ہیں؟'' فرمایا: ''آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس ہیں۔'' حصین نے پوچھا: ''ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ فرمایا: ''ہاں۔''

اور ایک روایت میں یوں ہے:

---

❶ صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل علي رضي الله عنه، ح: ٢٤٠٨.

یہاں چند باتوں پر تنبیہ ضروری ہے:

۱: سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس کو خصوصاً ذکر کرنا اس بات کا متقاضی نہیں کہ صرف انہی پر صدقہ حرام ہے بلکہ صدقہ تو جناب عبدالمطلب کی نسل میں سے ہر مسلمان مرد و عورت پر حرام ہے، صحیح مسلم میں صراحت ہے کہ ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا خاندان بھی اس حکم میں داخل ہے جس کی رو سے ان پر صدقہ حرام ہے۔ [حاشیہ جاری ہے]

''ہم نے کہا: نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی بیویاں؟''

فرمایا: ''نہیں۔ اللہ کی قسم! عورت تو خاوند کے پاس کتنی دیر بھی رہے جب وہ اسے طلاق دے دیتا ہے تو وہ اپنے والد کے ہاں چلی جاتی ہے۔ اہل بیت تو آپ کا خاندان ہے یعنی وہ رشتہ دار جن پر صدقہ حرام ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ اور دوسرے محدثین نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی تخریج کی ہے فرماتے ہیں کہ ''آپ ﷺ کو ان کے اہل بیت میں ڈھونڈو۔''

اور اسی طرح ان حضرات نے ان سے ایک اور حدیث نقل کی ہے، فرماتے ہیں کہ ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! رسول اللہ ﷺ کی رشتہ داری مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں اپنے رشتے داروں سے صلہ رحمی کروں۔''

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صفیہ بنت شیبہ سے یہ حدیث روایت کی ہے فرماتی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

((خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ غَدَاةً وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مُرَحَّلٌ مِنْ شَعْرٍ اَسْوَدَ، فَجَآءَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ فَاَدْخَلَهُ، ثُمَّ جَآءَ الْحُسَيْنُ فَدَخَلَ مَعَهُ، ثُمَّ جَآءَتْ فَاطِمَةُ فَاَدْخَلَهَا، ثُمَّ جَآءَ عَلِيٌّ فَاَدْخَلَهُ، ثُمَّ قَالَ:
﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ

[بقیہ حاشیہ] ۲: کتاب وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات بھی اہل بیت میں داخل ہیں اور ان پر بھی صدقہ حرام ہے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں ازواج مطہرات کا اہل بیت سے ہونا معتبر ہے۔ کیونکہ آپ کی ازواج مطہرات کا آپ سے تعلق نسبی تعلق جیسا ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ دنیا میں بھی آپ کی بیویاں تھیں اور آخرت میں بھی آپ کی بیویاں ہوں گی۔ جیسا کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے کلام سے اس کی وضاحت ذکر ہوچکی ہے۔

۳: اہل سنت و الجماعت ہی وہ سعادت مند لوگ ہیں جنہوں نے اہل بیت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی اس حدیث میں مذکور وصیت کو کما حقہ تسلیم کیا ہے، کیونکہ وہ سب اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں، ان سب سے عقیدت رکھتے ہیں اور عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں ان کے صحیح مراتب پر فائز کرتے ہیں۔

تَطْهِيرًا﴾)) ❶

''نبی کریم ﷺ ایک دن تشریف فرما ہوئے، آپ پر سیاہ بالوں کی بنی ہوئی منقش چادر تھی۔ اتنے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہ آ گئے، آپ نے ان کو چادر میں داخل فرمالیا، پھر حسین رضی اللہ عنہ آئے تو وہ بھی ساتھ داخل ہو گئے، پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں تو آپ نے انہیں بھی چادر میں داخل فرمالیا۔ پھر علی رضی اللہ عنہ پہنچ گئے تو آپ نے انہیں بھی داخل فرمالیا۔ پھر فرمایا: ''اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ہر بری چیز دور فرما کر تمہیں خوب پاک صاف کر دے۔''

[کیونکہ اس آیت میں صراحتاً خطاب تو ازواج مطہرات کو ہے لہٰذا وہ تو لازماً اہل بیت میں داخل ہیں]

نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کون ہیں:

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٣٣، ٣٤)

''(اے نبی کی بیویو!) تم اپنے گھروں میں قرار (عزت و وقار) سے رہو اور دورِ جاہلیت کی طرح اظہارِ زینت نہ کرو، بلکہ نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اے اہل بیت! اللہ گندی چیزوں کو تم سے دور رکھنا چاہتا ہے اور تمہیں اچھی طرح پاک صاف رکھنا چاہتا ہے؛ اس لیے تم گھروں

❶ صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل أهل بيت النبي ﷺ، ح: ٢٤٢٤.

میں رہ کر اللہ کی نازل کردہ آیات اور (رسول کی بیان کردہ) حکمت کو یاد کرتی رہو۔ بلاشبہ اللہ نہایت باریک بین اور انتہائی خبردار ہے۔“

یہ آیت کریمہ اگرچہ جیسا کہ اس کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے، آپ علیہ السلام کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور نص سے بھی یہی مراد ہیں۔ مگر اہل بیت صرف ان تک ہی مختص نہیں ہیں، بلکہ ان کے ساتھ آپ علیہ السلام کے رشتہ دار بھی شامل ہیں، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث (جو کہ ابھی گزری) اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ علیہ السلام کے اہل بیت میں کون حضرات شامل ہیں؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ اہل بیت وہ حضرات ہیں جن پر آپ علیہ السلام کے وصال کے بعد صدقہ حرام ہو گیا، تو ان سے پوچھا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ وہ حضرات آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔ (اخرجہ مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر کھانے کے لیے اپنے منہ میں رکھی تو آپ ﷺ نے ناگواری کی وجہ سے تھوکنے کا اشارہ کیا، پھر فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے؟“۔

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔

اور صحیحین میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے ارشاد فرمایا: تم لوگ اس طرح درود پڑھا کرو:

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ .))

”اے اللہ! رحمت نازل فرما محمد (ﷺ) پر اور ان کی ازواج پر اور اولاد پر، جیسا کہ آپ نے رحمت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام کی آل پر اور برکت نازل فرما محمد (علیہ السلام) پر اور ان کی ازواج اور اولاد پر جیسا کہ آپ نے برکت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام کی

آل پر بے شک آپ بے حد تعریف والے خوب بزرگی والے ہیں [1]۔"

اور یہ حدیث اس آنے والی حدیث کے آخری لفظ کی تشریح کرتی ہے:

((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ .))

"اے اللہ رحمت نازل فرما محمد (علیہ السلام) پر اور ان کی آل پر، اور برکت نازل فرما محمد (علیہ السلام) اور ان کی آل پر۔"

تو یہاں پر آل سے مراد آپ علیہ السلام کی ازواج اور باقی اولاد ہے جیسا کہ پہلی حدیث میں مذکور ہے اور نص آل محمد میں لفظ (الآل) کی تشریح کو آل ابراہیم میں لفظ الآل کے معنی میں مراد لیے جانے کا تقاضا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَالَتْ یٰوَیْلَتٰٓی ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ ھٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌo قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌo﴾ (ھود: ۷۳)

"کہا اس (ابراہیم علیہ السلام کی بیوی) نے، ہائے! کیا میں بچہ جنوں گی جبکہ میں تو بوڑھی ہوں اور میرا یہ شوہر بھی بوڑھا ہے، یہ تو عجیب چیز ہے، انہوں نے کہا: کیا

[1] درود میں ازواج مطہرات اور کا ذکر صحیحین میں بھی سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اہل بیت مطہرات اور اولاد میں محدود ہیں۔ بلکہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ قطعاً اہل بیت ہیں۔ باقی رہا اس حدیث میں ازواج کا اہل بیت پر عطف تو یہ عام پر خاص کا عطف ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اہل بیت، ازواج اور ذریت والی حدیث جس کی سند میں مقال ہے۔ ذکر کرنے کے بعد فرمایا: "آپ نے اس حدیث میں ازواج، ذریت اور اہل بیت کو اکٹھا ذکر کر کے یہ صراحت فرما دی کہ ان کا اہل بیت سے ہونا قطعی ہے اور وہ اہل بیت سے خارج نہیں، بلکہ وہ اس فضیلت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ باقی رہا ان کا اہل بیت پر عطف تو یہ ان کی فضیلت وشرف کا خصوصی اظہار ہے، کیونکہ یہ کلام کا بلیغ انداز ہے کہ ایک نوع کے چند افراد کا خصوصی ذکر بھی کر دیا ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ یہ افراد اس نوع میں بدرجہ اتم داخل ہیں۔ خاص کا عام پر عطف یا عام کا خاص پر عطف مشہور طریقہ ہے۔"

تم اللہ کے امر سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں بے شک وہ قابل ستائش اور بزرگی والا ہے۔"

لہٰذا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اہل بیت میں ابراہیم علیہ السلام اور ان کی زوجہ مطہرہ اور اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام سب شامل ہیں اور پیچھے اس بارے میں جو بھی گزرا وہ اس بات کا متقاضی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اہل بیت وسیع معنی کے ساتھ من جملہ وہ تمام حضرات ہیں جن پر آپ علیہ السلام سے رشتہ داری کی بنا پر زکوٰۃ لینا حرام ہے۔

اہل بیت کے بعض فضائل:

صحیحین میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی کو نکاح کا پیغام بھیجا، جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اس بات کا علم ہوا تو وہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: آپ کی قوم کو یہ گمان ہے کہ آپ اپنی صاحبزادیوں کے لیے بھی غصہ نہیں فرماتے جبکہ علی (رضی اللہ عنہ) ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے والے ہیں تو آپ ﷺ تشریف لائے اور تشہد کے بعد میں نے انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا:

"اما بعد! اور بے شک فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے مجھے اس بات سے تکلیف ہوتی ہے کہ اسے کوئی بات ناگوار گزرے، خدا کی قسم! اللہ کے رسول اور اس کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں، تو اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دینا چھوڑ دیا۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ: "فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جگر کا ٹکڑا ہے پس جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔"

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ "فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو بات اسے تکلیف دیتی ہے، مجھے بھی اس سے تکلیف پہنچتی ہے اور جو بات اسے پریشان کرتی ہے مجھے بھی اس سے پریشانی ہوتی ہے۔"

اور بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

"تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔"

جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں ارشاد فرمایا:

" میرا یہ بیٹا سردار ہے، شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کروائیں"۔ (اخرجه البخاری)

اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"اے اللہ! مجھے اس سے محبت ہے، پس تو بھی اس سے محبت فرما اور جو اس سے محبت کرے تو بھی اس سے محبت فرما"۔ (متفق علیه)

اور حق سبحانہ وتعالیٰ کا آپ کی ازواج مطہرات کے بارے ہے:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾

(الاحزاب: ٦)

"(یہ) نبی مومنوں کو ان کی جانوں سے بھی زیادہ پیارا ہے اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔"

آیت مباہلہ میں اللہ تعالیٰ کا ان کو مباہلہ کے لیے خاص کرنا ان کی فضیلت پر سب سے بڑی دلیل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْكٰذِبِیْنَ۝﴾ (آل عمران: ٦١)

"پس آپ کے پاس علم کے آ جانے کے بعد جو شخص بھی آپ سے جھگڑے تو آپ (اس سے) کہہ دیں کہ ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں، اپنی بیٹیوں اور تمہاری بیٹیوں کو، اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں کو، اپنے نفسوں اور تمہارے نفسوں کو بلاتے ہیں، پھر مباہلہ کر کے جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں گے۔"

اہل بیت کے حقوق:

بلاشبہ اہل بیت سے محبت اور ان کا احترام ایک شرعی فرض ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اور میرے اہل بیت! میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کے خوف کی وصیت کرتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کے خوف کی وصیت کرتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کے خوف کی وصیت کرتا ہوں، (یعنی اللہ سے ڈرتے ہوئے ان کے حقوق ادا کرنا) کیونکہ ان سے محبت کرنا آپ علیہ السلام سے محبت کا تقاضا ہے۔

اور اہل بیت سے محبت وعقیدت ان باتوں کا تقاضا کرتی ہے کہ:

۱۔ ان کی شان کے مطابق ان سے معاملات کرنا۔

۲۔ آپ علیہ السلام پر درود بھیجتے وقت ان کے لیے بھی دعا کرنا۔

۳۔ ان میں سے نیک لوگوں سے میل جول اور تعلق رکھنا اور ان کے ساتھ نشست و برخاست رکھنا اور ان سے اچھائی کو لینا اور ان کے ساتھ بھلائی کرنا اور ان کی دل جوئی کرنا، ان سے قریب ہونے کی رغبت ہونا اور ان میں شادی کر کے یا شادی کروا کر سسرالی رشتہ قائم کرنا۔

۴۔ ان کی مدد کرنا، ان کے لیے خوب فیاضی وسخاوت سے خرچ کرنا ان کی مدافعت وحمایت کرنا اور ان کی اچھائیاں اور مناقب بیان کرنا۔

۵۔ ان میں سے غیر صالحین کو وعظ ونصیحت کرنا اور ان پر شفقت ورحمت کرنا اور انہیں فضائل سے آراستہ پاکیزہ اہل بیت کے راستے پر چلنے کی دعوت دینا۔

۶۔ آجری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''تمام مسلمانوں پر آپ علیہ السلام کے اہل بیت سے محبت، ان کا اکرام، احترام، ان کے ساتھ حسن سلوک، ان کی اذیتوں پر صبر کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا واجب ولازم ہے۔''

۷۔ خمس اور فے (بلا جنگ و جدال کے ساتھ حاصل ہونے والا مال غنیمت) میں انہیں ان کا حق دینا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ (الانفال : ٤١)

"جان لو کہ تم جو غنیمت حاصل کرتے ہو تو اس کا خمس اللہ، رسول، قرابت داروں، یتیموں، مساکین اور مسافروں کے لیے ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَآ آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (الحشر : ٧)

"بستیوں والوں سے اللہ نے اپنے رسول کو جو مال فے دیا ہے وہ اللہ، رسول، قرابت داروں، یتیموں، مساکین اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ (مال) صرف مال داروں کے درمیان نہ گھومے اور جو تم کو پیغمبر دے اسے قبول کرلو اور جس سے تمہیں روکے اس سے رک جاؤ۔"

ہمیشہ سے مسلمانوں کے عقائد میں یہ اس بات کی تصریح چلی آئی ہے کہ اہل بیت کو ان کے حقوق ادا کیا کرو۔

جیسا کہ تیسری صدی ہجری کے علماء میں سے حنفی عالم الامام ابوجعفر الطحاوی کی تالیف "العقیدۃ الطحاویۃ" میں ہے کہ جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جو کہ ہر عیب سے پاک ہیں اور آپ ﷺ کی اولاد جو ہر خباثت سے پاک ہیں کہ متعلق اچھا تذکرہ کیا جو برائی سے خالی ہو وہ نفاق سے بری ہوا۔ اور جیسا کہ ساتویں صدی ہجری کے شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحنبلی کی اہل سنت والجماعت کے عقائد کے ذکر کے سیاق میں مولف

کردہ کتاب "العقیدة الواسطیة" میں مذکور ہے، فرماتے ہیں:

"(اہل سنت والجماعت) رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں اور ان سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں آپ ﷺ کی وصیت کا خیال کرتے ہیں۔ جو کہ آپ نے "غدیر خم" کے دن کی تھی کہ میں تمہیں اپنے اہل بیت (کے حقوق) کے بارے میں اللہ کے خوف کی وصیت کرتا ہوں اور اسی طرح جب آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے اس بات کی شکایت کی کہ بعض قریشی بنو ہاشم سے بے رخی اور جفا کرتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ لوگ اس وقت تک کامل ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک یہ لوگ تم لوگوں اللہ اور میری رشتہ داری کے واسطے محبت نہ کرنے لگیں"۔

اصحاب رسول اور اہل بیت کے درمیان گہرا تعلق:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اہل بیت کے بارے میں آپ ﷺ کی وصیت کی قدر و حفاظت کا اندازہ ان واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرماتے ہیں:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَقَرَابَةُ اللّٰهِ ﷺ أَحَبُّ إِلَیَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِیْ .)) [1]

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں سے حسن سلوک میرے نزدیک اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے زیادہ محبوب ہے۔"

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی نقل

[1] صحیح البخاري، فضائل اصحاب النبي ﷺ، باب مناقب قرابة رسول الله ﷺ، ح: ٣٧١٢.

کیا ہے:

((أُرْقُبُوا مُحَمَّدًا ﷺ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ .)) ❶

''محمد ﷺ کے اہل بیت کے بارے میں آپ کا لحاظ رکھو۔''

دونوں احادیث بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نقل کی ہیں:

آپ فرمایا کرتے کہ: ''اے ابوالحسن ہمیں فتویٰ دیجیے''۔

صحیح بخاری میں سیدنا عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((صَلَّى أَبُو بَكْرٍ رضي الله عنه الْعَصْرَ، ثُمَّ خَرَجَ يَمْشِي، فَرَأَى الْحَسَنَ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ فَحَمَلَهُ عَلَى عَاتِقِهِ، وَقَالَ:

بِأَبِي شَبِيهٌ بِالنَّبِيِّ لَا شَبِيهٌ بِعَلِيٍّ

وَعَلِيٌّ يَضْحَكُ .)) ❷

''ایک دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز پڑھی، پھر پیدل چل پڑے۔ راستے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا تو ان کو اپنے کندھوں پر بٹھالیا اور فرمانے لگے: ''میرا باپ قربان! یہ نبی کریم ﷺ سے مشابہت رکھتے ہیں، علی رضی اللہ عنہ سے نہیں، سیدنا علی یہ سنتے ہوئے ہنس رہے تھے۔''

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دفتر قائم کیا تاکہ بیت المال کے مال کو تقسیم کریں تو اہل بیت سے ابتدا فرمائی حالانکہ لوگوں کا خیال تھا کہ آپ اپنی ذات سے شروع فرمائیں گے لیکن

---

❶ صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب قرابة رسول الله ﷺ ...... ح: ٣٧١٣.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ''آپ لوگوں سے خطاب کر کے انہیں نصیحت فرما رہے ہیں۔ مراقبہ کا معنی ہے کہ کسی چیز کا خیال رکھنا، پابندی کرنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ کے اہل بیت کا احترام کرو، انہیں تکلیف نہ دو اور ان سے بدسلوکی نہ کرو۔''

❷ صحيح البخاري، المناقب باب صفة النبي ﷺ ......، ح: ٣٥٤٢.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں ''بِـــأَبِـــي'' سے مراد یہ ہے کہ میرا باپ اس پر فدا ہو جائے۔ اس حدیث سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور اہل بیت سے آپ کی گہری محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔

انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ یہ ارشاد فرمایا:

''تم عمر کو وہی مقام دو جو اس کو اللہ نے دیا ہے''۔

اور بیت المال میں ان کا حصہ بنی عدی کی باری میں تھا جبکہ لوگ قریش کی کافی شاخوں سے پیچھے تھے۔ جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اہل بیت سے تعلق کی بات ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ان کی روایت کردہ احادیث سب سے زیادہ صحیح اور قوی کے درجہ میں ہیں، پھر حضرت علی، فاطمہ، حسن، حسین رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں مروی حدیث الکساء بھی انہیں کی روایت کردہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کسی بھی مسئلہ کے بارے میں دریافت کرنے والوں اور فتویٰ طلب کرنے والوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیتی تھیں اور آپ چاہتی تھیں کہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت بدل بن ورقاء الخزاعی نے آپ سے دریافت کیا کہ کس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے؟ تو آپ رضی اللہ عنہا نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کرلو۔''

اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے کہا: ''میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہوں''۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے ارشاد فرمایا:

''تو اللہ تعالیٰ کے یہاں مبغوض ہو! کیا تم ایسے شخص سے بغض رکھتے ہو جس کے دین کے لیے اتنے زیادہ احسانات ہیں کہ ان میں سے ایک احسان بھی دنیا اور ما فیہا سے ہزار درجہ بہتر ہے۔''

اسی طرح اہل بیت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت و احترام کے جذبات کا تبادلہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ابو جحیفہ جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ ''وہب الخیر'' کہہ کر پکارتے تھے، وہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: اے ابو جحیفہ: کیا میں تمہیں نبی کے بعد اس امت کے افضل ترین شخص کے بارے میں نہ بتا دوں؟ تو وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا ضرور بتائیے! حالانکہ میرے خیال میں ان سے افضل شخص کوئی نہیں تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: اس امت میں نبی کے بعد سب سے افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ

ہیں اور ان دونوں کے بعد تیسرے ایک اور تھے جن کا انہوں نے نام نہیں لیا۔

(اخرجه احمد و الطرانی فی الاوسط)

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی شہادت کے بعد ان کے بستر پر لٹایا گیا تو لوگوں نے انہیں گھیر لیا اور ان کا جنازہ اٹھائے جانے سے پہلے ان کے لیے نماز پڑھنے لگے اور دعا کرنے لگے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''میں بھی انہی لوگوں کے درمیان تھا تو ایک شخص نے آ کر میرا کندھا پکڑا جس سے میں چونک گیا؛ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے مغفرت کی اور فرمایا:

> ''آپ نے اپنے بعد ایسا کوئی نہیں چھوڑا کہ میں اس کی طرح اعمال کر کے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرلوں۔ اور اللہ کی قسم! مجھے اس بات کا یقین تھا کہ اللہ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں سے ملا دے گا کیونکہ میں اکثر و بیشتر نبی کریم ﷺ سے سنا کرتا تھا کہ میں ابوبکر اور عمر گئے، میں ابوبکر اور عمر داخل ہوئے اور میں ابوبکر اور عمر آئے اور نکلے''۔

جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تعلق ہے؛ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ باوجود اس اختلاف کے جو ان کے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان شہادتِ عثمان کے بارے میں ہوا تھا؛ ان کی بہت عزت و احترام کیا کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ کی زوجہ ہونے کے سبب ان کے مرتبہ و مقام کا بہت لحاظ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ بصرہ میں دو شخص آپ کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور ان میں سے ایک نے کہا:

> ''اے ہماری ماں! آپ کو عقوق (نافرمانی) کی جزاء ہماری طرف سے مل جائے''۔
>
> اور دوسرے شخص نے کہا: ''اماں جان! آپ اپنی غلطی سے رجوع کر لیجیے''۔

اور جب یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجا اور وہاں پر موجود تمام لوگوں کو لے آئے تو لوگوں نے ان دو آدمیوں کے بارے میں بتایا

کہ یہ دونوں گستاخ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو سو سو کوڑے لگوائے اور ان کے پکڑے اتروا دیئے۔ (الکامل فی التاریخ: ۳/ ۱٤٤)

حضرت شعبی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو (جنگ کے بعد) ایک وادی میں جام شہادت نوش پائے ہوئے دیکھا تو آپ اس جگہ اترے اور ان کے چہرے سے گرد و غبار صاف کرتے ہوئے فرمایا:

''ابو محمد! مجھ پر یہ بہت گراں گزر رہا ہے کہ میں تمہیں مقتول دیکھا رہا ہوں، بس میں اللہ ہی سے اپنے کھلے اور چھپے غموں کا شکوہ کرتا ہوں۔''

پھر آپ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے مغفرت فرمائی اور فرمایا:

''کاش میں اس واقعے سے بیس سال پہلے ہی مر جاتا۔''

اور آپ یہ فرمایا کرتے تھے: ''مجھے امید ہے کہ میں طلحہ اور زبیر ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ۝﴾
(الحجر: ٤٧)

''اور ان کے دلوں میں جو کدورت ہو گی ان کو ہم نکال دیں گے (گویا) بھائی بھائی تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔''

اور سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے غلام ابو حبیبہ سے منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب جنگ جمل سے فارغ ہوئے تو میں عمران بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمران بن طلحہ رضی اللہ عنہ کا خوب خیر مقدم کیا اور انہیں اپنے قریب بٹھایا اور فرمایا: ''میں امید کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت مجھے اور تمہارے والد کو ان لوگوں میں سے بنا دے جن کے بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ۝﴾
(الحجر: ٤٧)

"اور ان کے دلوں میں جو کدورت ہوگی ان کو ہم نکال دیں گے (گویا) بھائی بھائی تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔"

پھر فرمانے لگے: "میرے بھتیجے! فلاں کیسی ہے؟ فلاں کیسی ہے؟ اور اس سے اپنے بھائیوں کی ماؤں کی خیریت پوچھنے لگے۔ تو ایک طرف بیٹھے ہوئے دو آدمیوں نے کہا: جن میں سے ایک حارث الاعور تھا: "اللہ پاک اس بات میں زیادہ عدل و انصاف کرنے والے ہیں کہ ہم انہیں قتل کر دیں اور وہ جنت میں ہمارے بھائی ہوں۔"

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غصہ میں فرمایا:

"یہاں سے کھڑے ہو جاؤ اور کہیں دور چلے جاؤ! اگر میں اور طلحہ نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا؟ (پھر عمران بن طلحہ کی طرف متوجہ ہو کر) فرمایا: "بھتیجے! تمہیں کسی بھی قسم کی ضرورت ہو تو ہمارے پاس آنا۔" (و قال الحاکم: صحیح الاسناد)

نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے مابین تعلق و یگانگت کا اندازہ آپ میں اس ازدواجی رشتہ داری و قرابت سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے عائشہ، حفصہ رضی اللہ عنہما سے نکاح فرمایا جو کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی صاحبزادیاں تھیں۔

اور عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیاں رقیہ پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے تین صاحبزادوں کے نام حضرت ابوبکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم کے ناموں پر رکھے۔ اور اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

اور حسن رضی اللہ عنہ نے ام اسحاق سے نکاح فرمایا جو کہ حضرت طلحہ بن عبیداللہ کی صاحبزادی تھیں۔ اور حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر کی صاحبزادی حفصہ سے نکاح کیا اور اپنے صاحبزادوں کا نام عمر، ابوبکر اور طلحہ رکھا اور حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کا نام عمر رکھا۔

یہ امام جعفر صادق ہیں جن کی ماں کے دادا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، ان کی ماں فروہ؛ قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم کی بیٹی ہے۔ اور قاسم کی ماں اسماء بنت عبدالرحمن بن ابی بکر ہیں۔ اس وجہ سے جعفر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: "مجھے صدیق نے دو مرتبہ جنا ہے۔"

صحابہ اور خصوصاً خلفائے راشدین کے آپس میں محبت و مروت پر بہت سی احادیث دال ہیں اور یہ امر عقل و منطق اشیاء کی طبیعت کے بالکل موافق اور مقتضی ہے ان حضرات ہی کے ہاتھ سے قرآن اور اسلام انسانوں تک پہنچا، یہی لوگ اس بات کے لائق ہیں کہ اسلام کی اقتدار کو مضبوطی سے پکڑیں خصوصی طور پر آپس کی محبت، مودت اور دوستی کو۔ بیشک مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ﴾ (التوبة : ٧١)

''مومن مرد اور عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''

اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے:

''مسلمان آپس کے تعلق اور محبت و رحمت میں ایک جسد کے مانند ہیں جب ایک عضو دکھتا ہے تو تمام بدن کو بخار اور نیند نہ آنے کی وجہ سے دکھ ملتا ہے۔'' (متفق علیہ)

اور یہ بات معروف ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا دور ہی وہ سنہری دور تھا کہ جس میں اسلام اور شریعت کے احکام اور اس کی تعلیمات اس کے بعد آنے والے کسی بھی دور کے مقابلے میں سب سے زیادہ منطبق اور معمول بہ تھے۔

لہٰذا اس کے بعد تاریخ کی بعض کتب میں جو ایسے واقعات وارد ہوئے ہیں جو ان احادیث صحیحہ سے جن میں سے بعض ہم نے مثال کے طور پر پیش کی ہیں کسی بھی طور سے موافقت نہیں رکھتے انہیں اہمیت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ کیونکہ تاریخ کی وہ خبریں اور واقعات، تحقیق، تدقیق، توثیق اور تعدیل کی اس چکی سے بالکل بھی نہیں گزرے جن سے احادیث نبویہ مطہرہ گزر چکی ہیں۔ احادیث کی صحت کا جو معیار ہے وہ معیار تاریخی اخبار اور واقعات کا نہیں ہے، بلکہ ان تاریخی واقعات میں سے اکثر واقعات خواہشاتِ نفس اور عصبیت کی بنیاد پر بیان کیے گئے ہیں۔

اور اگر تاریخی واقعات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جنگ جمل اور صفین جیسی جنگیں ثابت بھی ہیں تو زمانے سے طویل مسافت اور عدم علم نے ہمیں ان واقعات کی کیفیت

واسرار اور متعلقات سے دور کر دیا ہے اور تاریخی واقعات اور شواہد ان کے بالکل متضاد ہیں اور ان تاریخی واقعات میں سے اکثر تو نفس پرستی اور عصبیت کا نتیجہ ہیں۔ لہٰذا ہم پر یہ فرض بنتا ہے کہ اس طرح کے حالات میں ہم وہی کہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الحشر: ۱۰)

''اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ ہماری اور ہم سے پہلے جو ہمارے بھائی گزرے ہیں ان کی مغفرت فرما اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کینہ نہ رکھ، اے ہمارے رب تو مہربان اور رحیم ہے۔''

اور اس طرح کے واقعات میں ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ وہ تمام حضرات مجتہد تھے۔ ان میں سے صحیح اجتہاد کرنے والے کے لیے دوہرا اجر اور غلط اجتہاد ہو جانے پر ایک اجر ہے۔ اور امت کے ان خیر خواہوں کے حق میں یہی بات کہنی چاہیے۔

ہمیں ان کے آپ ﷺ کے ساتھ گہرے تعلق اور اسلام کی نصرت اور تبلیغ میں ان کی مشکورانہ کاوشوں کا معترف ہونا چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی ہمیں اسی بات کی تعلیم دی ہے کہ مومنوں کے دو گروہوں کے آپس میں اختلاف کی وجہ سے ان کا ایمان زائل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْءَ إِلٰى أَمْرِ اللّٰهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوْا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (الحجرات: ۹-۱۰)

''اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو پھر

اگر ان میں ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں میں عدل کے ساتھ اصلاح کر دو اور انصاف کرو اللہ انصاف والوں کو پسند کرتے ہیں سو تمام مسلمان بھائی ہیں تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرواؤ اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں کو مومنین کہہ کر پکارا ہے۔

اہل بیت کا مقام و مرتبہ:

اہل بیت نہ تو کسی گناہ سے معصوم ہیں اور نہ ہی شریعت ساز ہیں

معصوم اسے کہتے ہیں جس سے کسی گناہ کا صادر ہونا تسلیم نہ کیا جائے اور جن سے گناہ کا صادر ہونا تسلیم نہیں کیا جاتا ؛وہ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں ؛جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی اور انہیں اس وحی کی تبلیغ کا حکم دیا۔ اور اگر ان سے گناہ کا صدور مان لیا جائے تو اس سے ان کے احکام دین کی تبلیغ میں عیب پیدا ہوتا ہے۔

اور اہل بیت انبیاء سے ہٹ کر عام انسانوں کی طرح ہیں؛ یہ لوگ اجتہاد بھی کرتے ہیں اور غلطی بھی کرتے ہیں لہٰذا جن امور میں انہوں نے اجتہاد کیا اور راہ صواب پر رہے تو ان کے لیے ایک اجر ہے۔ اور جن امور میں اجتہاد کیا اور غلطی کھا گئے تو اس پر ایک اجر ہے۔

البتہ وہ حدیث جو مختلف طرق سے صحیحین کے علاوہ دوسری کتب میں مروی ہے:

"بلاشبہ میں لوگوں میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں اگر تم لوگوں نے اسے میرے بعد مضبوطی سے تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، وہ دونوں بیش بہا خزانے ہیں اور ان میں پہلا دوسرے سے بڑھ کر ہے، پہلی اللہ کی کتاب ہے جو زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی رسی ہے اور دوسرے میرے اہل بیت۔...... دھیان سے سنو! یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ میرے پاس

(قیامت کے دن) حوض پر آ جائیں۔"

تو اس حدیث سے یہ مراد لینا کہ اہل بیت قرآن وسنت کی طرح قانون وشریعت ساز مصادر میں سے ہیں صحیح نہ ہوگا۔

اور اس بات سے صرف نظر کرنے کے باوجود بھی کہ محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، یہ حدیث اہل بیت میں موجود تمام حضرات میں سے ہر ایک کے حکم کی اتباع پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ یہ حضرات ایک وقت میں متعدد اور اپنے مذہب اور فتاوی میں اختلاف رکھتے تھے اور کبھی ان میں سے بعض حضرات دوسرے بعض حضرات کو غلط ٹھہراتے تھے۔ جبکہ پیروی صرف ایک چیز کی ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن اور محمد ﷺ کی پیروی کو واجب قرار دیا ہے۔

لہٰذا وہ انتہائی مراد جس پر مذکور حدیث دلالت کرتی ہے: (اگر یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے الفاظ محفوظ ہیں) وہ یہ ہے کہ اس میں جملہ امور میں ان کے طریقے اور سنت کی پیروی کا حکم ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے:

"تم میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کا اتباع لازم کرو"۔

اور جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نہ تو گناہوں سے معصوم تھے اور نہ ہی قانون وشریعت سازی میں خود مختار تھے اور نہ ہی انبیاء تھے کہ ان سے گناہ کا صادر ہونا تسلیم نہ کیا جا سکے (بلکہ عام انسان تھے)؛ یقیناً ان میں سے بعض حضرات دوسرے بعض حضرات کی غلطیوں کی اصلاح بھی کیا کرتے تھے۔ لہٰذا ان کے احکام بھی اس مجتہد کے حکم کی طرح ہیں کہ جس نے کسی حکم میں اجتہاد کیا اور غلطی کر گیا؛ تو اس کے لیے ایک اجر ہے اور اگر اس نے (اس حکم میں) اجتہاد کیا اور راہِ صواب پر رہا تو دوہرا اجر ہے۔

(اگر یہ حدیث صحیح ہے تو) قرطبی رحمہ اللہ کی کتاب "المفہم" میں کہے گئے قول سے

اس حدیث کی بہترین تشریح کی جا سکتی ہے:

''جس طرح فرض مؤکدہ احکام کا وجوب ہے کہ ان کو چھوڑنے میں کسی کا عذر بھی قابل قبول نہیں ہے یہ وصیت اور پرزور تاکید بھی آپ ﷺ کے اہل بیت کا احترام، ان کے ساتھ حسن سلوک، ان کی عزت اور ان سے محبت کا ہونا ہر مسلمان پر ایسے ہی واجب کرتی ہے۔''

ضمیمہ :

اہل بیت اور اہل سنت والجماعت کا اجمالی عقیدہ

تمام اعتقادی مسائل میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ افراط وتفریط سے پاک ہوتا ہے۔ اس میں کوئی زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔ اہل بیت کے بارے میں بھی ان کا عقیدہ صاف ستھرا ہے۔ وہ جناب عبدالمطلب کی نسل میں سے ہر مسلمان مرد وعورت سے محبت رکھتے ہیں۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی تمام ازواج مطہرات سے بھی عقیدت رکھتے ہیں۔ اہل سنت تمام اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں، سب کی تعریف کرتے ہیں اور ان کو اسی مرتبہ پر رکھتے ہیں جس کے وہ مستحق ہیں۔ اس میں عدل وانصاف کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ ذاتی جذبات اور تحفظات کی طرف دھیان نہیں دیتے، بلکہ وہ اس شخص کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے نسب کی فضیلت کے ساتھ ساتھ ایمان کی فضیلت سے بھی بہرہ ور فرمایا ہے۔ لہٰذا اہل بیت میں سے جس شخص کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے وہ اس سے اس کے ایمان وتقویٰ اور صحابی ہونے؛ اور نبی کریم ﷺ سے قرابت کی بنا پر محبت کرتے ہیں اور اہل بیت میں سے جس شخص کو صحبت کا شرف حاصل نہیں وہ اس سے اس کے ایمان وتقویٰ وجہ سے اور رسول اللہ ﷺ سے قرابت کے سبب سے محبت کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ نسب ایمان کے تابع ہے اور اہل بیت میں سے جسے اللہ تعالیٰ نے دونوں شرف عطا فرمائے ہیں اسے دونوں فضیلتیں حاصل ہیں۔ لیکن جسے ایمان کی توفیق نہ ملی اسے نسب کی فضیلت کا کوئی فائدہ نہیں۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳)

''تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ایک لمبی حدیث میں فرمایا ہے۔ جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ((وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ)) [1]

''جس شخص کے عمل سست ہوں اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔''

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ اپنی کتاب ''جامع العلوم والحکم'' میں اس حدیث مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ درحقیقت عمل ہی انسان کے درجات آخرت میں

[1] صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن...... ح: ۲۶۹۹.

بلند کرتا ہے۔" جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ (الانعام: ۱۳۲)
"ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق درجات ملیں گے۔"

لہٰذا جس شخص کے اعمال اسے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند درجات تک پہنچانے سے قاصر ہوں اس کا نسب اسے ان درجات تک نہیں پہنچا سکے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جزا اعمال کے مطابق رکھی ہے نہ کہ نسب کے مطابق، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ (المومنون: ۱۰۱) "جب صور پھونکا جائے گا تو لوگوں میں کوئی رشتہ باقی رہے گا نہ وہ ایک دوسرے سے کچھ مانگیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ نیک اعمال کی بدولت اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت حاصل کریں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾

(آل عمران۳/ :۱۳۳، ۱۳۴)

"اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھو جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے۔ وہ جنت ان نیک لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو خوشحالی اور تنگی ہر حال میں خرچ کرتے ہیں اور اپنے غصے کو پی جاتے ہیں۔"

ابن رجب رحمہ اللہ نے بہت سی ایسی آیات و احادیث نقل فرمائی ہیں جو نیک اعمال کی طرف ابھارتی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت بھی تقویٰ اور نیک عمل ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ پھر آخر میں انہوں نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی صحیحین میں مروی یہ حدیث ذکر فرمائی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((أَلَا إِنَّ آلَ أَبِي يَعْنِي فُلَانًا، لَيْسُوا لِي بِأَوْلِيَاءَ، وَإِنَّمَا وَلِيِّيَ اللّٰهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ)) ❶

"فلاں قبیلے کے لوگ میرے ساتھی نہیں۔ میرا ساتھی تو اللہ تعالیٰ ہے اور نیک مومن ہیں۔"

اس فرمان نبوی سے آپ ﷺ کا اشارہ اس جانب ہے کہ آپ کی محبت بھی قریبی نسب و

---

❶ صحيح البخاري، الأدب، باب تبل الرحم ببلالها، ح: ۵۹۹۰، وصحيح مسلم، الإيمان، باب موالاة المؤمنين ومقاطعة غيرهم......ح: ۲۱۵ واللفظ له

خاندان کی بنا پر حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایمان اور عمل صالح ہی کی بنا پر حاصل ہو سکتی ہے۔ جو شخص ایمان و عمل میں کامل ہے وہ آپ کا زیادہ قریبی ہے خواہ اس کا نسب آپ سے ملتا ہو یا نہ ملتا ہو۔ آخر میں حافظ ابن رجب رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شاعر نے اسی مفہوم کو یوں بیان کیا ہے:

لَعَمْرُكَ مَا الْإِنْسَانُ إِلَّا بِدِيْنِهِ
فَلَا تَتْرُكِ التَّقْوَى اتِّكَالًا عَلَى النَّسَبِ
لَقَدْ رَفَعَ الْإِسْلَامُ سَلْمَانَ فَارِسٍ
وَقَدْ وَضَعَ الشِّرْكُ النَّسِيْبَ أَبَا لَهَبِ

"اللہ تعالیٰ تیری عمر دراز کرے انسان کا مرتبہ اس کے دین سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا تو نسب و خاندان پر اعتماد کرتے ہوئے نیکی و تقویٰ سے غافل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا درجہ بلند کر دیا مگر شرک کی بنا پر آپ کا ہم نسب ابولہب ذلیل ہو گیا۔"❶

❶ جامع العلوم والحکم: ۲/۳۰۸.

چوتھی وصیت:

انصار کے بارے میں وصیت

۱۔ امام بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے؛ وہ فرماتے ہیں:

"حضرت ابوبکر اور عباس رضی اللہ عنہما کا گزر انصار کی مجلس سے ہوا جس میں وہ لوگ رو رہے تھے، تو انہوں نے دریافت کیا: کیا وجہ ہے کہ تم لوگ رو رہے ہو؟

تو انہوں نے کہا: ہمیں رسول اکرم ﷺ کی مجلس یاد آ رہی ہے (کہ آپ ہمارے ساتھ بیٹھا کرتے تھے)"۔

یہ بات سن کر وہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں اس بات کی اطلاع دی، تو آپ ﷺ باہر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے اپنے سر پر دھاری دار چادر کا عمامہ باندھا ہوا تھا۔ صحابی فرماتے ہیں کہ: "پھر رسول اکرم ﷺ منبر پر تشریف لائے اور اس دن کے بعد آپ پھر کبھی منبر پر تشریف نہیں لائے؛ اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

"میں تم لوگوں کو انصار کے بارے میں حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں بلاشبہ یہ میرے مخلص ساتھی اور راز دار ہیں، انہوں نے اپنی ذمہ داری اچھی طرح نبھائی اور ان کا حق اب بھی (ہم پر) باقی رہتا ہے"۔

لہٰذا تم ان میں سے محسن لوگوں کی اچھائی اور بھلائی قبول کرو اور ان میں سے برے لوگوں سے درگزر کرو"۔

۲۔ بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے؛ وہ فرماتے ہیں:

رسول اکرم ﷺ اپنے دونوں کاندھوں پر ایک چادر لیے اور اپنے سر مبارک پر ایک عمامہ زیب تن کیے باہر تشریف لائے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے پھر اللہ کی

حمد وثنا بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: اما بعد! اے لوگو! لوگ بڑھ رہے ہیں اور انصار کم ہو رہے ہیں حتیٰ کہ یہ کھانے میں نمک طرح رہ جائیں گے۔ لہٰذا تم میں سے کوئی اگر کسی عہدے پر فائزہ جائے جس میں اسے کسی نفع یا نقصان دینے کا اختیار ملے تو اسے چاہیے انصار کے اچھے لوگوں کی بھلائی کو قبول کرے اور ان کے بروں لوگوں سے عفو و درگزر سے کام لے"۔

۳۔ بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((آيَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ، وَ آيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ .)) ❶

"ایمان کی نشانی انصار سے محبت اور نفاق کی نشانی انصار سے بغض وعداوت ہے"۔

نبی کریم ﷺ نے کئی احادیث میں ان سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی بتایا

۴۔ بخاری و مسلم نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، یا یہ کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اور نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

((الْأَنْصَارُ لَا يُحِبُّهُمْ إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا يُبْغِضُهُمْ إِلَّا مُنَافِقٌ؛ فَمَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللّٰهُ وَ مَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللّٰهُ)) ❷

"انصار سے کوئی محبت نہیں کر سکتا سوائے مومن کے اور ان سے کوئی بغض نہیں رکھ سکتا سوائے منافق کے، پس جو ان سے محبت کرے گا اللہ اسے محبوب رکھے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا اللہ ان سے بغض رکھے گا"

---

❶ أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب مناقب الأنصار؛ باب : حب الأنصار من الإيمان ٣٩/٣؛ برقم (٣٧٨٤). ومسلم في صحيحه في كتاب الإيمان؛ باب الدليل على أن حب الأنصار و علي رضي الله عنهم من الإيمان و علاماته؛ و بغضهم من علامات النفاق ١/ ٨٥ برقم (١٢٨)۔

❷ البخاري ح: ٣٧٨٣؛ ومسلم ح: ٧٥]

۵۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَا يُبْغِضُ الْاَنْصَارَ رَجُلٌ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ .))[1]

”جو انسان اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، وہ انصار سے بغض نہیں رکھ سکتا۔“

۶۔ بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ”انصار کی ایک عورت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس کے ساتھ اس کا چھوٹا بچہ بھی تھا تو آپ علیہ السلام نے اس سے بات چیت کی پھر یہ جملہ دو مرتبہ ارشاد فرمایا:

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم لوگ لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔“

۷۔ بخاری و مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے (انصار کے) بعض بچوں اور عورتوں کو کسی دعوت سے واپسی میں آتے ہوئے دیکھا تو آپ ان کے لیے بالکل سیدھے کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا:

”تم لوگ مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہو! تم لوگ مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہو۔“ (یعنی انصار)

۸۔ احمد نے مسند میں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: جب آپ ﷺ نے (مصلحت کے تحت) قریش اور عرب کے دوسرے قبائل کو زیادہ مال غنیمت عطا کیا اور انصار کا ان غنیمتوں میں کوئی حصہ نہ تھا، تو انصار کی ایک جماعت دل ہی دل میں بہت غمگین ہوئی اور ان میں چہ میگوئیاں بڑھنے لگیں ...... آگے چل کر اس حدیث میں ہے کہ پھر رسول اکرم علیہ السلام ان میں تشریف لائے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

[1] صحیح مسلم ح: ۷۶۔

''اے انصار کے لوگو! مجھے تم لوگوں کی طرف سے کیسی باتیں سننے کو مل رہی ہیں؟ یا یہ ناراضگی ہے جو تم لوگ دل میں لیے بیٹھے ہوئے ہو؟ کیا میں تم گمراہ لوگوں کے پاس نہیں آیا تھا پھر اللہ نے تمہیں ہدایت دی اور تمہاری کسمپرسی کی حالت میں نہیں آیا تھا پھر اللہ نے تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا؟ اور اس حالت میں نہیں آیا تھا کہ تم لوگ دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے درمیان محبت ڈال دی تو انہوں نے جواب دیا کہ ضرور! ایسا ہی ہے! اللہ اور اس کا رسول ہی سب سے بڑھ کر احسان اور فضل کرنے والے ہیں۔''

پھر رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے انصار کے لوگو! کیا تم لوگ مجھے اس بات کا جواب نہیں دو گے؟''

تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم آپ کو اس بات کا اور کیا جواب دیں؟ اللہ اور اس کے رسول کے ہی ہم پر احسانات اور فضل ہے''۔

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اگر تم چاہتے تو یوں کہتے اور بالکل سچ کہتے کہ تم ہمارے پاس جھٹلائے ہوئے آئے تو ہم نے تمہاری نبوت کی تصدیق کی اور تم ہمارے پاس پسپائی کی حالت میں آئے تو ہم نے تمہاری مدد کی اور دھتکارے ہوئے آئے تو ہم نے تمہیں پناہ دی اور کسمپرسی کی حالت میں آئے تو ہم نے تمہاری مالی امداد کی! جبکہ میں نے تمہیں تمہارے اسلام کے سپرد کر دیا۔ اے انصاری لوگو! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ لوگ بکری اور اونٹ لے کر جائیں اور تم اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی لے کر اپنے کجاووں میں جاؤ؟ پس اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا اور اگر لوگ ایک راستے پر چلیں اور انصار ایک راستے پر تو میں انصار کے راستے یا گھاٹی پر چلوں گا۔ اے اللہ! انصار پر، ان کی اولاد اور ان کی اولاد کی

اولاد پر رحم فرما۔"

راوی فرماتے ہیں کہ: "انصاری لوگ اتنا روئے کہ آنسوؤں سے اپنی ڈاڑھیاں تر کر لیں اور کہنے لگے: "ہم اللہ کے رسول کی تقسیم پر راضی ہیں۔" پھر آپ ﷺ تشریف لے گئے اور لوگ الگ الگ ہو گئے"۔

(و اصله فی الصحیحین۔ مکمل اور اصل الفاظ میں حدیث صحیحین میں موجود ہے۔)

انصار کون ہیں؟ اور وہ اس فضیلت کے کیوں مستحق ہوئے؟

علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں: انصار، ناصر کی جمع ہے جیسے اصحاب، صاحب کی جمع ہے یا پھر نصیر کی جمع ہے جیسے اشراف شریف کی جمع ہے اور اس میں لام "عہد" کے لیے ہے، یعنی آپ ﷺ کے انصار اور ان سے مراد (دو قبیلے اوس اور خزرج ہیں) اور اس سے پہلے یہ لوگ "بنو قیلہ" کے نام سے معروف تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو انصار کا نام دیا۔ اس طرح یہ نام ان کی شناخت بن گیا اور اس کا اطلاق ان کی اولاد، ان کے اتحادی مدد کے معاہدے میں شریک لوگوں پر ان کے پیروکاروں پر بھی ہوتا ہے۔

اور یہ بات ان کی عظمت شان کے لیے کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف ان کلمات میں فرمائی ہے جو قرآن کا حصہ بن کر تلاوت کیے جاتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الحشر : ۹)

"اور ان لوگوں کے لیے بھی جو مہاجرین سے پہلے گھر میں مقیم اور ایمان کی حالت میں رہے اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں، ان سے محبت

کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا ہے اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرص نفسی سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔"

اللہ کی قسم کھا کر کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایسی صفات ہیں کہ ان کا لوگوں میں پایا جانا انتہائی مشکل ہے اور اس سے بھی زیادہ مشکل ان صفات کا کسی فرد یا جماعت میں جمع ہونا ہے۔

سید قطب رحمہ اللہ "ظلال القرآن" میں اس آیت کریمہ کی تعلیق میں فرماتے ہیں:

"یہ آیت کریمہ انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایسی روشن اور سچی تصویر ہے جو ان کی اہم ترین ممتاز صفات کو عیاں کرتی ہے اور صحابہ کرام کی یہ جماعت کہ جس نے ان صفات میں یکتائے روزگار ہو کر آفاق کی بلندیوں کو چھو لیا اور اگر یہ حضرات ان صفات کو حقیقت کا روپ نہیں دیتے تو لوگ ان صفات کو فقط خواب و خیال ہی گمان کرتے اور حقیقت کی دنیا سے دور کی اقدار سمجھتے: ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ.........﴾ "اور وہ لوگ جنہوں نے قرار پکڑا...... بنا رکھا دار الاسلام (یعنی مدینہ) اور ایمان کو ان مہاجرین (کے یہاں آنے) سے پہلے) یعنی دار الہجرت کو، بلا شبہ انصار نے مہاجرین سے قبل اس کو اپنا مسکن بنایا ہوا تھا؛ اور یہاں پر اہل ایمان کو ٹھکانہ دیا تھا؛ گویا کہ اصل ایمان ہی ان کا مسکن اور ٹھکانہ ہے، دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی تعبیر ہے جس کے ذریعے ایمان کے بارے میں انصار کے موقف کو بہت قریب تے تصور اور سمجھا جا سکتا ہے۔ دراصل ایمان ان کا وہ ٹھکانہ، مسکن اور منزل تھی جس میں ان کے دل سکون پذیر ہوتے اور ان کی روحیں قرار پاتیں، اور یہ لوگ اس میں پناہ لے کر اطمینان حاصل کرتے تھے، جیسا کہ آدمی گھر لوٹ کر اس میں اطمینان حاصل کرتا ہے۔

﴿يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوْا.....﴾ "ان

کی طرف جو لوگ (مہاجرین) ہجرت کر کے آئے ان سے یہ لوگ (انصار) محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو دیا جائے اس سے یہ لوگ اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے"۔ انسانی تاریخ نے آج تک ایسا ہمہ گیر واقعہ نہیں دیکھا جیسا انصار کا مہاجرین کے استقبال کا واقعہ ہے، ایسی پاکیزہ اور قابل قدر محبت کے ساتھ، ایسی فیاضی اور سخاوت کے ساتھ، ایسی محبوب اور پسندیدہ ہمہ گیری کے ساتھ، پناہ دینے اور بوجھ اٹھانے میں ایسی مسابقت کے ساتھ، اتنا شاندار استقبال!! اور ان (مہاجرین) کو جو دیا جائے اس سے یہ (انصار) لوگ اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے۔ یعنی مہاجرین کو بعض مواقع پر بافضیلت مقام و مرتبہ اور مال حاصل ہوا، جیسا کہ پچھلے باب میں "فے" کی حدیث گزری جس پر ان کا جھگڑا ہوا تھا تو ان باتوں کی بنا پر انصار اپنے دلوں میں کوئی رشک یعنی (حسد) نہیں پاتے تھے۔

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ "اور وہ لوگ (انصار) انہیں (مہاجرین) کو اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں سخت ضرورت ہی کیوں نہ ہو"۔ باوجود اپنی ضرورت کے کسی کو اپنی ذات پر ترجیح دینا اور ایثار کرنا بلاشبہ ایک بیش قیمت اور بلند صفت ہے اور انصار اس صفت میں کمال کو ایسے طریقے سے پہنچے کہ انسانیت اس کی نظیر دیکھنے سے قاصر ہے اور وہ ہمیشہ اور ہر دفعہ ایسا ہی کرتے تھے کہ ان کا یہ طریقہ بالکل خارق للعادۃ اور بے مثال و بے نظیر تھا۔

﴿وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ "اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔" لہٰذا یہ بخل جو کہ طبیعت کا بخل ہے، ہر خیر سے روک دینے والا ہے، کیونکہ خیر تو ہر صورت میں خرچ کرنے کا نام ہے، مال کا خرچ کرنا، محبت و الفت کا خرچ (یعنی نچھاور) کرنا، محنت و کوشش کا خرچ کرنا اور ضرورت کے وقت زندگی کا خرچ کرنا (یعنی اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا) اور ناممکن ہے کہ خیر کو کرنے والا کوئی انتہائی بخیل آدمی ہو جسے ہر وقت یہ فکر دامن گیر

رہتی ہے کہ وہ لے لے اور یہ خیال ایک دفعہ بھی نہیں آتا کہ وہ کسی کو کچھ دے دے اور جسے اس کی طبیعت کے بخل (تنگ دلی) سے بچا لیا گیا اسے دراصل بھلائی سے روک دینے والی بری صفت سے بچا لیا گیا، پھر اس خیر کی طرف وہ دیتا ہوا، فیاضی کرتا ہوا چل دے اور حقیقی معنی میں یہی اصل کامیابی ہے۔ درحقیقت یہ آیت کریمہ ان پانچ بلند صفات کے انصار میں جمع ہونے پر نص ہے:

۱۔ ایمان کی خاطر ان کا (مہاجرین کو) پناہ دینا۔

۲۔ ان کی طرف ہجرت کر کے آنے والوں کے لیے ان کی بے لوث محبت اور انہیں ناپسند نہ کرنا۔ جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے کہ اجنبیوں کو محض ان کی اجنبیت کی بنا پر ناپسند کرتے ہیں۔

۳۔ حسد سے ان کے دلوں کا پاک ہونا، چنانچہ یہ حضرات اپنے سے اجنبی لوگوں کو دنیوی مال ومتاع مل جانے پر ان سے حسد نہیں کرتے تھے۔

۴۔ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دینا اگرچہ ان حضرات کو اس چیز کی اشد ضرورت ہوتی جس کو انہوں نے دوسروں پر ایثار کرتے ہوئے انہیں دے دیا ہو۔

۵۔ طبیعت کے بخل اور خشک مزاجی سے ان کی حفاظت پس جس کے اندر یہ صفات موجود ہوں تو حق بجانب ان سے محبت رکھنی چاہیے اور ان سے محبت اور تعلق ایمان کا حصہ ہو اور اس بات کی وصیت، محبت اور رحمت کے نبی ﷺ کی جانب سے ہو۔

انصار رضی اللہ عنہم اجمعین کے حقوق:

۱۔ ان سے اتنی محبت اور ایسی محبت کرنا جو ان کی تعظیم اور مدح سرائی میں ظاہر ہو۔ ان کا دفاع کرنا اور ان کے محاسن اخلاق کا تذکرہ زبان زد عام کرنا جو کہ ان امور پر ترغیبی احادیث میں گزرا اور کیونکہ ان سے محبت رکھنا اللہ، اس کے رسول اور اس کے دین سے محبت کی دلیل ہے۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ علیہ السلام کے اس فرمان کے مطابق کہ ''ایمان کی نشانی انصار سے محبت ہے اور نفاق کی علامت انصار سے بغض ہے۔'' جو شخص ابتدائی شروع اسلام میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نصرت کے واقعات سے واقف ہو جائے اور وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت بھی کرتا ہو تو وہ ان انصار صحابہ سے بھی قطعی طور پر محبت کرے گا؛ اور ان حضرات کے لیے اس کے دل میں موجود ان کی یہ محبت اس کے ایمان کی علامت ہوگی؛ اور جس نے ان سے بغض رکھا اور اس کے دل میں ایمان نہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اس پر لانا واجب کیا ہے۔ اور یہ محبت ہر خاص و عام انصاری سے ہوگی۔ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے الاحکام میں فرمایا ہے:

''انصار سے محبت رکھنا ان کی وہ خاص فضیلت ہے جو ان کے علاوہ کسی دوسری جماعت یا لوگوں کو نہیں مل سکتی اور نہ ہی اس فضیلت کو ان میں سے بعض کو چھوڑ کر بقیہ انصار کے لیے محدود کیا جا سکتا ہے''۔

۲۔ ان کے بغض سے بری ہونا؛ جیسا کہ اس بارے میں احادیث گزر چکی ہیں۔ حتی کہ اہل علم حضرات نے ان سے بغض رکھنے کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔

''الزواجر'' میں ابن الہیثمی ارشاد فرماتے ہیں:

''چار سو چونسٹھواں اور پینسٹھواں کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انصار سے بغض رکھنا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کو بھی برا بھلا کہنا۔''

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایمان کی علامتوں میں سے ایک علامت انصار سے بغض رکھنا ہے، اور نفاق کی علامتوں میں سے ایک علامت انصار سے بغض رکھنا ہے۔''

اور شیخین (بخاری و مسلم) نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''صرف ایمان والا ہی ان سے محبت کر سکتا ہے اور صرف منافق ہی ان سے بغض رکھ سکتا ہے۔ پس جو ان سے محبت کرے گا اللہ ان سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا تو اللہ بھی اسے مبغوض رکھے گا۔''

اور امام مسلم نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ: ''ایسا شخص جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو انصار سے بغض نہیں رکھ سکتا۔''

۳۔ ان میں سے کسی ایک کی طرف سے بھی احسان، اور بھلائی پر خوش اور رضامند رہنا اگرچہ وہ احسان کم ہی کیوں نہ ہو۔ اور ان میں سے جو کوئی برائی کرے اس سے درگزر کرنا۔ کیونکہ یہ آپ ﷺ کا حکم ہے، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سابقہ حدیث میں وارد ہوا ہے؛ کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

''پس تم میں سے جو شخص کسی عہدے پر ذمہ دار بنے جس میں وہ کسی کو مضرت یا منفعت پہنچا سکتا ہو تو وہ (ان انصار میں سے بھلائی کرنے والے کی بھلائی کو قبول کرے اور ان میں سے برائی کرنے والے سے درگزر کرے۔'' [بخاری]

۴۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اسلام کی نصرت میں ان کی اقتدا کی کوشش کرنا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جن بلند صفات سے نوازا اس کو اپنانے کے لیے نفس کو مجاہدے میں ڈالنا، کیونکہ محبت تو صورت میں مشابہت بھی مانگتی ہے۔

پانچویں وصیت:

حکمران کی اطاعت کی وصیت

۱۔ امام مسلم اور ابن حبان رحمہ اللہ نے حضرت ام الحصین رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت کی ہے؛ وہ فرماتی ہیں کہ: میں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کیا تو میں نے اسامہ یا بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی اونٹنی کی نکیل پکڑے جا رہے ہیں۔ اور ان میں سے دوسرے صحابی نے اپنے کپڑوں سے رسول اکرم ﷺ کو گرمی سے بچانے کے لیے ڈھانپا ہوا ہے حتیٰ کہ آپ ﷺ نے جمرۂ عقبہ پہنچ کر وہاں رمی کی پھر وہاں سے روانہ ہوئے؛ تو لوگ آپ کا خطبہ سننے کے لیے ایک جگہ ٹھہر گئے جبکہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی چادر دائیں بغل کے نیچے سے اپنے بائیں کاندھے پر ڈال رکھی تھی۔ پھر آپ نے بہت ساری وصیتیں فرمائیں جن میں سے ایک یہ بھی تھی:

"اگر تم لوگوں پر ناک کان کٹے، کالے غلام کو بھی امیر بنا دیا جائے جو تمہیں کتاب اللہ پر چلائے تو اس کا حکم سنو اور مانو۔"

۲۔ ترمذی، حبان اور حاکم نے حضرت امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

آپ علیہ السلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر ہمیں خطبہ دیا تو ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! اپنے رب کا حکم بجا لاؤ اور اپنی پانچوں نمازیں (پابندی وقت کے ساتھ) پڑھو اور اپنے اموال کی زکاۃ دو اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو"۔

......(اور ایک روایت میں "امـراء کم" کے بجائے "ذا امـرکم" کا لفظ ہے اور ایک روایت میں "ولاۃ امرکم" کا لفظ ہے؛ یعنی حکمرانوں کی اطاعت کرو تو)......اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔" (قال الترمذی: حسن صحیح)

۳۔ احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ وہ

فرماتے ہیں: ایک روز رسول اکرم ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد ہمارے رمیان ایک نہایت پراثر وعظ فرمایا جسے سن کر آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور دل خوف سے کانپ اٹھے تو ایک شخص نے عرض کیا: یہ وعظ تو کسی رخصت ہونے والے کا لگتا ہے تو آپ ہمیں کس چیز کی وصیت فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میں تمہیں اللہ کے تقویٰ اور سننے اور ماننے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ تمہارا امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ تم میں سے (میرے بعد) جو زندہ رہے گا (اور آگے کا زمانہ دیکھے گا) تو وہ بہت اختلافات دیکھے گا اور بدعتوں سے بچنا، کیونکہ وہ سراسر گمراہی ہیں لہٰذا تم میں سے جو شخص بدعت ہوتی ہوئی دیکھے تو اس پر میری اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت پر جمے رہنا لازم ہے۔ تم لوگ ان سنتوں کو مضبوطی سے تھام لو۔"

حکمرانوں اور فرمانرواؤں کی اطاعت کا وجوب:

ان مذکورہ احادیث سے ہمیں خلافت و امارت کی علو مرتبت اور امور کی درستگی و صلاح کے لیے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ سب صرف اور صرف فرمانرواؤں کی اطاعت اور ان کے حکموں کی بجا آوری سے ہی حاصل ہوسکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب میں اسی بات کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا﴾ (النساء ۵۹)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو بات مانو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور تم میں سے حکمرانوں کی، پس اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرنے لگو تو اس بات کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ بات بہتر اور

انجام کے اعتبار سے اچھی ہے۔"

ابن عطیہ رحمہ اللہ نے "اولی الامر" سے مقصود کے بارے میں اپنی تالیف "المحرر الوجیز" میں فرمایا ہے: جمہور کے قول کے مطابق امراء حضرت ابن عباس، ابوہریرہ، ابن زید اور ان جیسے اور (علماء) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کے اس قول "اور تم میں سے امراء" سے مراد میں اختلاف ہوا کہ ان سے مراد حکمران ہیں یا علماء؟ تو قاضی ابوبکر بن العربی المالکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"میرے نزدیک صحیح ترین بات یہ ہے کہ اس آیت میں ﴿وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ سے حکمران اور علماء کرام دونوں مراد ہیں۔ حکمران تو اس لیے کہ در اصل حکم اُن ہی کی طرف سے جاری ہوتا ہے؛ اور فیصلہ ان ہی کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اور علماء اس لیے کہ ان سے ہر مسئلے میں پوچھنا تمام لوگوں پر لازم ہے۔"

فخر الرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

"جان لو کہ جب اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں کو رعایا سے عدل وانصاف کرنے کا حکم فرمایا تو رعایا کو بھی ان کی اطاعت کا حکم فرمایا چنانچہ ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ (النساء ٥٩)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو بات مانو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور تم میں سے حکمرانوں کی، پس اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرنے لگو تو اس بات کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ بات بہتر اور انجام کے اعتبار سے اچھی ہے۔"

اسی آیت کے پیش نظر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: حاکم وقت پر فرض ہے کہ اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرے اور امانت ادا کرے پس

جب وہ یہ کرے تو اب رعایا پر لازم ہے کہ اپنے امیر کی بات سنیں اور مانیں"۔

اور فخر الرازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿وَ إِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَ لَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَ إِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَ لَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَٰنَ إِلَّا قَلِيلًا﴾

(النساء: ۸۳)

"اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جو ان میں سے امور کو سمجھتے ہیں ان کے حوالے پر رکھتے تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں سے اس کی تحقیق کر لیتے اور اگر تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم سب کے سب شیطان کے پیرو ہو جاتے بجز تھوڑے سے آدمیوں سے۔"

کہ "اولی الامر" میں دو قول ہیں: پہلا یہ کہ اس سے مراد اہل علم اور اہل رائے حضرات ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ جنگی دستوں کے امیر مراد ہیں۔ اور علماء نے اس قول کو پہلے قول پر ترجیح دی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ کیونکہ "اولی الامر" وہ حضرات ہوتے ہیں جن کا لوگوں پر حکم چلتا ہو جبکہ اہل علم حضرات حکمرانوں کی طرح نہیں ہوتے"۔

اور یہ وہ توجیہات اور احکام الٰہی ہیں کہ جن کی پرزور تاکید امت کے خیر خواہ اور امانت دار سرور کونین نے اپنی احادیث مبارکہ میں کی ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "سنتے رہو اور مانتے رہو اگرچہ تم پر ایک ایسے حبشی غلام کو امیر بنا دیا جائے جس کا سر (چھوٹا ہونے میں) گویا کشمش کی طرح ہو۔" (اخرجہ البخاری)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تمہاری تنگی اور آسائش میں، تمہاری خوشگواری اور گرانباری / ناپسندیدگی میں

اورتم پر خود فضیلت/ترجیح دیئے جانے کے وقت میں امیر کی بات سننا اور ماننا لازم ہے۔"(اخرجه مسلم)

اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ سلمہ بن یزید الجعفی رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ: "آپ کی کیا رائے ہوگی کہ اگر ہم پر ایسے حکمران بنا دیئے جائیں جو ہم سے اپنا حق پورا پورا لیں اور ہمارے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کریں؟ تو رسول اکرم ﷺ نے ان سے اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا۔ صحابی نے پھر وہی سوال کیا تو پھر آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"تم لوگ امیر کی بات سنتے رہو اور مانتے رہو پس انہیں جن اعمال کا مکلف بنایا گیا ان پر (ان اعمال کو نہ کرنے کی وجہ سے) ان کا گناہ ہوگا اور تمہیں جن اعمال کا مکلف بنایا گیا تم پر ان اعمال کی ذمہ داری ہے۔"(رواه مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جسے اپنے امیر کی کوئی عادت یا بات ناپسند ہو تو اسے چاہیے کہ وہ صبر کرے کیونکہ امیر کی اطاعت سے ایک بالشت برابر بھی باہر نکل گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"(متفق عليه)

اطاعت کی حدود:

اس گزشتہ بحث سے امراء/حکام کی بات سننے اور ماننے میں اور ان اطاعت کرنے کی اہمیت اور ضوابط کا پتہ چلتا ہے؛ چاہے وہ نیکوکار ہوں یا بدکردار۔ اور شریعت کے حکم کی تعظیم اور اہمیت واضح طور سے ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں لوگوں کی جانوں کی حفاظت اور استقامت وسلامتی کے ساتھ لوگوں کے احوال کی بقا کا راز ہے۔ لیکن ایک ضروری بات جو آگاہی سے متعلق ہے، یہ ہے کہ سننا اور ماننا صرف اور صرف نیکی کے کاموں میں ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"اطاعت صرف نیکی کے کاموں میں ہے۔" (متفق علیه)

کیونکہ مطلقاً اطاعت (یعنی ہر بات ماننا چاہے خواہ جیسے بھی ہو) خصائص الٰہیہ میں سے ہے۔ لہٰذا حکمران جب کسی گناہ یا شرع کے مخالف کام کا حکم دیں تو نہ ہی ان کی بات سنی جائے گی اور نہ ہی مانی جائے گی۔

چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مسلمان بندے پر سننا اور ماننا (امیر کی بات) اس کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں میں جب تک لازم ہے جب تک کہ اسے کسی برائی کا حکم نہ دیا جائے اور جب اسے برائی کا حکم ملے تو نہ ہی سننا ہوگا اور نہ ہی ماننا۔" (متفق علیه)

لہٰذا خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہ ہوگی۔

اور ان احادیث میں ایک انتہائی گہری تنبیہ موجود ہے جو کہ اکثر و بیشتر لوگوں پر پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ معصیت میں ان کی اطاعت نہ کرنے سے ان پر خروج لازم نہیں آتا، بلکہ اس برائی کو نہ کرنا جسے کرنے کا حکمرانوں نے اسے حکم دیا ہے، بقیہ امور میں اطاعت کے لزوم کے ساتھ ہوگا جس پر کثرت سے نصوص حدیث کی دلالت اور وضاحت آئی ہے جو کہ کچھ پہلے ہم نے پیش بھی کیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا خلیفہ معتصم باللہ اور واثق باللہ کے ساتھ قصہ سلف صالحین کے مفہوم کو صحیح سمجھنے کی ایک مثال ہے۔ کیونکہ واثق اور معتصم باللہ دونوں خلق قرآن کے قائل تھے تو احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان پر اس بات کا انکار کیا تھا، اس کے باوجود بقیہ تمام امور میں ان کی اطاعت کی؛ اور ان دونوں خلیفوں پر خروج سے منع فرمایا۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ امراء/ حکام کا حکم سننا اور ماننا اور ان سے محبت یہ دونوں علیحدہ چیزیں ہیں؛ جیسا کہ فسق و فجور اور ظلم کی وجہ سے ان سے بغض رکھنے سے ان پر خروج لازم نہیں آتا۔ اسی مقام پر آکر قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور لغزشیں وجود میں آتی ہیں اور اسی بات اور مفہوم کو صحیح نہ سمجھنے کے سبب بہت سا فساد برپا ہوا ہے۔ پھر بعض اوقات امراء کی جملہ امور

میں اطاعت کے باوجود ان سے ان کے فسق و فجور کی وجہ سے بغض رکھا گیا، مگر یہ بات نقصان دہ نہیں ہے اور ان دونوں امور میں تفریق میں وارد احادیث میں سے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور ہے جسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم اقدس ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

"تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت رکھتے ہو (ان کی نیکی کی وجہ سے) اور جو تم سے محبت رکھتے ہیں اور تم ان کے لیے دعا خیر کرتے رہو اور وہ تمہارے لیے دعاء خیر کرتے رہیں اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو (ان کے فسق اور ظلم کی وجہ سے) اور وہ تم سے بغض رکھتے ہوں اور تم انہیں برا بھلا کہو اور وہ تمہیں برا بھلا کہیں۔"

راوی فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! تو پھر کیا ہم ان سے مقابلہ اور قتال نہ کر لیں؟ تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"نہیں! جب تک وہ تم لوگوں میں نماز قائم کرتے رہیں ہرگز نہیں! جب تک وہ تم لوگوں میں نماز قائم کرتے رہیں۔"

ائمہ پر خروج کی حرمت:

امام نووی رحمہ اللہ اپنی مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

"جہاں تک ائمہ/حکمرانوں کے خلاف خروج اور ان سے قتال/لڑائی کرنے کی بات ہے تو وہ باجماع المسلمین حرام ہے۔ اگرچہ وہ فساق اور حد درجہ ظالم ہوں، بالتحقیق میرے ذکر کردہ مطلب و معنی میں احادیث بالکل صریح ہیں"۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "فتح الباری" میں ابن بطال سے ان کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

"باقتدار حاکم و فرمانروا کی اطاعت اور اس کی معیت میں جہاد کرنے پر فقہاء کا اجماع ہے اور اس بات پر بھی اس کی اطاعت اس پر خروج سے بہتر ہے۔ کیونکہ

اسی میں انسانیت کے مقدس لہو کی حفاظت اور بڑے بڑے مصائب کا خاتمہ ہے اور فقہاء کا اجماع اس وقت تک قائم رہے گا جب تک حاکم سے صریح کفر صادر نہ ہو جائے‘‘۔

اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’ہماری یہ رائے نہیں ہے کہ ہمارے حکمرانوں اور امراء پر خروج کیا جائے، اگرچہ وہ ظلم وزیادتی کریں اور نہ ہی ہم ان کے لیے بددعا کریں گے اور نہ ہی ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچیں گے اور ان کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت میں سے ایک فریضہ سمجھیں گے جب تک کہ وہ کسی معصیت کا حکم نہ کریں اور ان کے لیے عافیت و درستگی کی دعا کرتے رہیں گے۔ سلف صالحین کا اس قصے پر اجماع صرف اور صرف اس لیے ہے کہ خروج علی الامام/حکمرانوں کے خلاف بغاوت میں اتنا بڑا فتنہ وفساد اور لوگوں کو مصائب ومشکلات میں ڈالنا ہے جس سے نہ ان کا دین درست رہ سکتا ہے اور نہ ہی دنیا‘‘۔

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ایک اثر منقول ہے، فرماتے ہیں:

’’امام وقت ہی لوگوں کی درستگی اور اصلاح کا ضامن ہوتا ہے چاہے وہ نیکوکار ہو یا بد، پس اگر امام بد ہوگا تو مومن بندہ اس کے دور میں اپنے رب کی عبادت کرے گا اور فاجر کو اس میں اپنے مقررہ وقت (موت) تک لے جایا جائے گا‘‘۔

(اخرجه الطبراني في تفسيره)

ابو الحارث الصائغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ’’میں نے ابو عبداللہ یعنی احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس واقعے کے بارے میں دریافت کیا جو کہ بغداد میں پیش آیا تھا اور وہاں کے لوگوں نے اپنے امام پر خروج کا ارادہ کر لیا تھا اور ان سے کہا: ان لوگوں کے ساتھ خروج علی الامام کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے ان لوگوں کے اس فعل پر نکیر فرمائی اور یہ کہنے لگے:

""سبحان اللہ! ہر طرف خون ہی خون! میں یہ ہرگز نہیں چاہوں گا اور نہ ہی اس بات کا حکم دوں گا۔ ان کٹھن حالات پر صبر کرنا جن سے ہم گزر رہے ہیں اس فتنے سے ہزار ہا درجے بہتر ہے جس میں خون ریزی کی جائے اور لوگوں کے مالوں کو حلال سمجھ کر اس پر قبضہ کیا جائے اور ان کی آبروریزی کی جائے۔""

تو میں نے اس پر کہا کہ لوگ کیا آج اس فتنے کی لپیٹ میں نہیں ہیں؟

تو انہوں نے فرمایا: ""اگرچہ لوگ آج بھی اس فتنے کی لپیٹ میں ہیں۔ مگر میری مراد ایک خاص فتنہ ہے پس جب تلوار نیام سے باہر آ جائے تو نتیجتاً فتنہ عام اور امن کے تمام راستے منقطع ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اس موجودہ حالت پر اس طرح صبر کرنا کہ تمہارا دینا سلامت رہے تمہارے لیے خروج علی الامام سے زیادہ بہتر ہے""۔

جس نے تاریخ میں غور و خوض کیا ہو گا اسے معلوم ہو گا کہ سب سے پہلے آزمائش جس سے دین اسلام دو چار ہوا وہ خلیفۃ المسلمین عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مسلمانوں کی ایک مختصر سی جماعت کا خروج تھا اور معلوم رہے کسی بھی برحق امیر و حاکم پر خروج سے امت اور دنیا کے لیے کبھی بھی خیر برآمد نہیں ہوئی۔

حکمرانوں کو نصیحت کرنا:

حضرت تمیم بن اوس الداری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

""دین تو سراسر خیر خواہی اور نصیحت ہے۔"" ہم نے عرض کیا: کس کے لیے؟

تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ""اللہ، اس کے رسول، اس کی کتاب، مسلمانوں کے امام/حاکم اور عوام الناس کے لیے۔"" (اخرجہ مسلم)

درحقیقت حکمرانوں کا اپنی رعایا پر سب سے بڑا حق ان کے لیے نصیحت و خیر خواہی ہے اور یہ وعظ و نصیحت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جن کی طرف فوراً ذہن جاتا ہے، سب کو شامل ہے لہٰذا امراء کے لیے خیر خواہی انہیں نیکی کا حکم کرنے، برائی سے روکنے، خیر کی جانب

ان کی راہنمائی کرنے اور شر پر تنبیہ کرنے سے بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تین چیزیں پسند فرماتے ہیں اور تین چیزیں ناپسند فرماتے ہیں۔ تمہارے لیے یہ پسند فرماتے ہیں کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت کرو اور اللہ نے جسے تمہارے امور کا خیر خواہ بنایا ہے (یعنی امراء) انہیں نصیحت کرو۔'' (اخرجه مالك في الموطا و ابن حبان في صحيحه)

اسی طرح یہ نصیحت اور خیر خواہی ان کے لیے دل کو (حسد، کینہ، دشمنی وغیرہ سے) پاک کرنے اور ان کے لیے دھوکہ دہی، فریب کاری اور خیانت کو نہ چھپانے اور ان کے لیے برا نہ چاہنے سے بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے منیٰ میں خیف کے مقام پر اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا:

''تین چیزیں ایسی ہیں کسی مومن کا دل اس میں خیانت نہیں کر سکتا:
(۱) اللہ کے لیے عمل کو خالص کرنا (۲) حکمرانوں کو نصیحت اور ان کے لیے خیر خواہی (۳) مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ جڑ جانا۔''

اسی طرح یہ نصیحت اور خیر خواہی ان کے حق میں توفیق و اعانت کی دعا کرتے رہنے سے بھی ہو سکتی ہے۔ چونکہ اس کی برکت و منفعت رعایا پر عام ہو گی، اسی پر قاضی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا یہ مشہور مقولہ ہے: ''اگر میری کوئی ایک دعا قبول ہونی ہوتی تو اس دعا کو میں اپنے حاکم وقت کے لیے بچا کر رکھتا (اور بوقت ضرورت اس کی خیر میں توفیق مانگتا)۔'' اور یہ ان بزرگ کی دانش مندی ہے۔

چھٹی وصیت:

مسلمان کی حرمت

۱۔ بخاری اور مسلم نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے ساتھ یومِ نحر (دسویں ذی الحجہ) کو منیٰ میں اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا:

''یہ کون سا دن ہے؟'' تو ہم خاموش رہے اور یہ خیال کیا کہ شاید آپ اس دن کو کوئی اور نام مقرر کریں گے (لیکن) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کیا آج یومِ نحر نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کیا: بے شک (آج یوم النحر ہے)۔

پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بتاؤ یہ کون سا مہینہ ہے؟''

تو ہم خاموش رہے اور خیال کرنے لگے کہ اب آپ اس مہینے کا کوئی اور نام مقرر کریں گے (لیکن) آپ نے ارشاد فرمایا: ''کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟''

تو ہم نے عرض کیا: ضرور (یہ ذی الحجہ کا ہی مہینہ ہے)۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا: ''بتلاؤ یہ کون سا شہر ہے؟'' پھر فرمایا کہ ''کیا یہ بلدہ نہیں ہے؟'' (مکہ کے معروف ناموں میں ایک بلدہ بھی ہے)۔ تو ہم نے عرض کیا:

بے شک! ایسا ہی ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''تمہارے خون اور تمہارے اموال اور تمہاری آبروئیں تم پر ہمیشہ کے لیے حرام ہیں جیسا کہ آج کے مبارک اور مقدس دن میں خاص اس شہر اور اس مہینے میں تم کسی کی جان لینا یا اس کا مال یا اس کی آبرو لوٹنا حرام سمجھتے ہو (بالکل اسی طرح یہ باتیں تمہارے واسطے ہمیشہ کے لیے حرام ہیں۔''

۲۔ بخاری و مسلم نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان سے حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا: ''لوگوں کو خاموش کرواؤ۔''

پھر فرمایا: ”میرے بعد ایسے کافر نہ ہو جانا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔“

تمہید:

بلاشبہ اسلامی بھائی چارہ تعلقات استوار رکھنے میں سب سے زیادہ مضبوط اور پختہ ترین ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (الحجرت : ١٠)

”بلاشبہ مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔“

ایک اور مقام پر ارشاد گرامی ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ (التوبة : ٧١)

”اور مومن مرد اور مومن عورتیں ان میں سے بعض بعض کے مددگار ہیں۔“

درحقیقت اسلامی شریعت اسلامی بھائی چارے کو حق ثابت کرنے اور اس کی تاکید لیکر آئی ہے۔ لہٰذا وہ ہر اس کام کا حکم دیتی ہے جس سے اس تعلق میں مضبوطی آ سکے اور ہر اس کام سے منع کرتی ہے جو اس تعلق میں رکاوٹ کا سبب بنے۔

بلا شک و شبہ اسلامی شریعت نے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے حقوق کو ایسے واضح اور شافی انداز میں بیان کیا ہے کہ اس میں کسی قسم کا ابہام و اختلاط نہیں چھوڑا اور مسلمان کی عظمت شان اور اس کی حرمت کو بھی بیان کیا ہے، لہٰذا ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان، مال اور آبرو (ریزی) کرنا حرام ہے۔ (یعنی یہ سب اس کے لیے قابل عزت و حرمت ہے) اور رحمت اور ہدایت کے نبی محمد ﷺ مسلسل ان حقوق کی پاسداری اور ان کی حدود سے عدم تجاوز کی وصیت فرماتے رہے حتیٰ کہ (مسلمان کی حرمت کے بارے میں آپ سے منقول شدہ حدیث اس عظیم الشان محفل اور اتنے بڑے مجمع میں آپ کی زبان مبارک سے جاری ہوئی اور آپ نے مسلمان کی حرمت و عزت کی اس مقام کے مناسب تمام تر اشیاء سے

تشبیہ و تمثیل کے ذریعے تاکید فرمائی۔ پس اللہ آپ پر رحمت و سلامتی نازل فرمائے! کتنے بہترین انداز میں آپ نے نصیحت فرمائی اور اس امت پر شفقت فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کی طرف دیکھا پھر ارشاد فرمایا:

"اے کعبہ! تو اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے مگر ایک مومن اللہ کے نزدیک حرمت میں تجھ سے بھی بڑھ کر ہے۔" (اخرجه الترمذی، و قال: حسن غریب)

مسلمان کی جان کی حرمت:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ (النساء: ۹۳)

"اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہنا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوں گے اور اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیں گے اور اس کے لیے بڑی سزا کا سامان کریں گے۔"

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔" (متفق علیه)

ایک دوسری حدیث میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

وہ مسلمان جو لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ" کی گواہی دیتا ہو (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں) اس کا خون حلال نہیں مگر ان تین وجوہات میں سے کسی ایک کی بنا پر:

(۱) شادی شدہ زانی (مرد ہو یا عورت)

(۲) جان کے بدلے جان لینا اور

(۳) اپنے دین کا تارک (مرتد) جماعت (مسلمانوں کی جماعت) سے علیحدہ

ہونے والا۔'' (متفق علیہ)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

''دنیا کا فنا ہو جانا اللہ کے نزدیک کسی مومن کو بغیر حق کے قتل کرنے سے زیادہ آسان ہے۔'' (اخرجہ النسائی فی الکبری و الترمذی و ابن ماجہ)

درآنکہ رسول اقدس ﷺ نے مسلمان کے اسلام کا عنوان اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کی حفاظت کو بنایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

''حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' (متفق علیہ)

مسلمان کی عزت و آبرو کی حرمت:

بلاشک وشبہ مومن کی عزت و آبرو بلحاظ مرتبہ وحیثیت اس کے مقدس خون سے کسی طور بھی کم نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب : ۵۸)

''اور جو لوگ ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتوں کو بدون اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار لیتے ہیں۔''

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ منبر پر تشریف لائے اور بلند آواز سے فرمایا:

''اے وہ جماعت جو ظاہری طور پر تو ایمان لے آئی مگر ابھی تک ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا، مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو، اور ان کی پردہ دری نہ کیا کرو کیونکہ جو کسی مسلمان کی پردہ دری کرتا ہے اللہ اس کی پردہ دری کرتا ہے اور جس کی اللہ پردہ دری کرتا ہے اسے گھر بیٹھے ذلیل کر دیتا ہے۔''

(اخرجہ ابن حبان و احمد و ابو داود و الترمذی و قال: حسن غریب)

اے مسلمان بھائی! اس باب کی اہمیت اور سنگینیٔ حال جاننے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سن لیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''سود خوری کے تہتر حصے ہیں ان میں سے ادنی اور معمولی ایسا ہے کہ جیسا اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کرنا اور بدترین سود خوری مسلمان کی آبرو ریزی کرنا ہے۔''

سبحان اللہ! مسلمان کی شان کتنی عظیم اور اس کی عزت و آبرو کتنی قابل قدر ہے۔

مسلمان کے مال کی حرمت:

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''مسلمان کا مال اس کی رضامندی اور دلی خوشی کے بغیر (لینا یا استعمال کرنا) جائز نہیں۔'' (اخرجه احمد)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

''جس نے کسی مسلمان کے مال پر بغیر حق کے قسم کھائی (کہ وہ اس کا ہے حالانکہ وہ اس کا نہ تھا) تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوں گے۔'' (اخرجه مسلم)

اور ان سب احادیث سے زیادہ جامع ترہیب و تحذیر رسول اقدس ﷺ کا اپنے صحابہ کے لیے یہ فرمان ہے کہ:

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ مفلس کسے کہتے ہیں''؟

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم میں سے مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں اور نہ ہی کوئی سامان ضرورت ہو''۔

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میری امت میں مفلس وہ شخص ہوگا جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکاۃ کا ذخیرہ لے کر آئے گا جبکہ اس نے کسی مسلمان کو گالی دی ہوگی اور کسی پر بہتان لگایا ہوگا اور کسی کا ناحق مال کھایا ہوگا اور کسی کا

ناحق خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا (تو یہ سب لوگ اس سے بدلہ لینے آ جائیں گے) لہٰذا یہ سب کو اپنی نیکیاں دینا شروع کر دے گا حتیٰ کہ اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گے (مگر ان کا بدلہ پورا نہ ہوا ہوگا تو) ان لوگوں کے گناہ اس پر لادنا شروع کر دیئے جائیں گے اور آخر میں اس کو (جہنم کا مستحق ٹھہرا کر) آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ (اخرجہ مسلم)

ساتویں وصیت:

عورتوں کے بارے میں وصیت

۱۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: مجھے میرے والد نے بتایا کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر تھے ،تو آپ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد خوب وعظ ونصیحت فرمائی، پھر فرمایا:
"غور سے سنو! عورتوں کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک میں میری وصیت مانو، کیونکہ وہ تمہارے پاس امانت ہیں۔ لہٰذا تم لوگوں کو ان پر (ناجائز) اختیار حاصل نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ (عورتیں) کھلی فحاشی کا ارتکاب کر بیٹھیں پس اگر وہ یہ غلطی کر بیٹھیں تو تم (تنبیہ اور آئندہ سدباب کے لیے اگر کچھ سزا دینا مناسب اور مفید سمجھو تو) انہیں بستروں پر چھوڑ کر (اپنا بستر علیحدہ کر لو) اور انہیں ایسی سزا دو جو زیادہ سخت نہ ہو پھر اگر وہ تمہارا کہا مان لیں؛ تو تم پھر (ان کی مخالفت اور سزا میں) کوئی دوسرا راستہ اختیار مت کرو، دھیان سے سنو! کہ بے شک تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اور تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے۔ پس تمہارا خاص حق جو تمہاری عورتوں کے ذمہ لازم ہے وہ یہ ہے کہ جس آدمی کا گھر میں آنا اور تمہاری جگہ تمہارے بستروں پر بیٹھنا تم کو پسند نہ ہو وہ اس کو اس کا موقع نہ دیں اور تم پر ان کا خاص حق جو تمہارے ذمہ لازم ہے وہ یہ ہے کہ تم اپنے مقدور اور حیثیت کے مطابق ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرو۔" (و قال الترمذی: حسن صحیح)

اور مسند شہاب میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ یہ تمام وصیتیں حجۃ الوداع میں یوم نحر کے خطبے میں تھیں۔

۲۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں رسول اللہ ﷺ کے حج کے بیان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ

سے نقل کیا ہے کہ رسول اقدس ﷺ نے عرفہ میں اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا:

"اپنی عورتوں کی بابت اللہ سے ڈرو، تم نے ان کو اللہ کی امان کے ساتھ اپنے عقد میں لیا ہے اور اسی اللہ کے کلمے اور حکم سے وہ تمہارے لیے حلال ہوئی ہیں۔"

دونوں حدیثوں کا ظاہری سیاق اس پر دلالت کر رہا ہے کہ دونوں احادیث ایک ہی موقع کی دو الگ احادیث ہیں۔ لہٰذا ان دونوں احادیث کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ پہلے آپ ﷺ نے عورتوں کے بارے میں وصیت عرفہ میں اپنے خطبے میں ارشاد فرمائی پھر یوم النحر (قربانی کے دن) میں یہ وصیت دوبارہ اپنے خطبے میں ارشاد فرمائی۔

اسلام میں عورت کا مقام:

اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام ایک ایسی باحفاظت و باعفت بیٹی کا ہے کہ جس کا باپ اپنے گوشۂ جگر کی طرح اس کی حفاظت کرتا ہے اور ایک ایسی باعزت بیوی کا مقام ہے جس کے شوہر کی طرف سے اس کی کفالت ہوتی ہے، اس کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں، جس سے زندگی کا ضروری سامان کافی ہو جاتا ہے۔

عورت اپنے خاوند کے لیے راحت و اطمینان کا باعث اور اس کا خاوند اس کے لیے راحت و اطمینان کا باعث ہوتا ہے۔ دونوں آپس میں رحم دلی اور محبت کا تبادلہ کرتے ہیں۔ عورت کا کردار ایسی ماں کا ہے جس کے گھر کے آنگن میں اس کی اولاد اور پوتے پوتیاں آسودہ اور خوشحال رہتے ہیں ایک ایسے قریبی رشتہ دار کا ہے جس کی نگرانی و دیکھ بھال کا ذمہ اس کے ولی پر ہوتا ہے۔

اس کے برعکس بعض معاشروں میں عورت کا کردار و حیثیت ایک ایسی صنف نازک کی ہوتی ہے جو کہ انسانی بھیڑیوں کی نظروں اور شہوتوں کا شکار ہوتی ہے وہ صرف اپنی نفسانی خواہش کے لیے استحصال کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی حیثیت ایک ایسی مزدور بیوی کی ہوتی ہے جو تھکی ہاری شام کو کام سے اپنے گھر لوٹتی ہے تاکہ اپنے خاوند کے ساتھ گھر کی ہر ذمہ داری حتیٰ

کہ گھر اور گاڑی کی قسطوں کی ادائیگی تک میں شریک ہو سکے۔ یا اس کی حیثیت ایسی ماں کی ہے جس کے بڑھاپے کے بعد اس کی اولاد اس کو کسی معاشرتی تحفظ حقوق کے ادارے میں (سوشل ویلفیئر ہوم) اس کی دیکھ بھال اور خدمت سے بچنے کے لیے لا کر پھینک دیا ہو۔ پھر اس کے بعد نہ تو اس کی خیریت کے بارے میں کوئی سواء ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے ملنے کی کوئی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

ماں کے ساتھ حسن سلوک:

بلاشک وشبہ اللہ رب العزت نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کے وجوب کو اپنی توحید کے وجوب کے ساتھ مربوط کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۝ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۝﴾ (الاسراء: ۲۳-۲۴)

"اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کیا کرو اور تم (اپنے) ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔ اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں کے دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں سو ان کو کبھی (ہاں سے) ہوں بھی مت کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمائیے جیسا انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا ہے۔"

قاضی ابوبکر بن البغدادی المالکی رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

”والدین کے ساتھ حسن سلوک ارکان دین میں سے ایک رکن ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک اقوال (کہا ماننے) اور افعال (خدمت) دونوں میں ہوگا“۔

اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے۔ اگرچہ وہ دونوں کافر ہی کیوں نہ ہوں اور اپنی اولاد کو کفر اختیار کرنے پر مجبور کر رہے ہوں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝﴾ (لقمٰن: ١٥)

”اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرا، جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو تو ان کا کچھ کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا اور اسی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع کرے پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے پھر میں تم کو بتلا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے۔“

اور بلاشبہ سنت مطہرہ یہ بیان کرتی ہے کہ والدین میں سے بھی حسن سلوک اور حسن معاشرت کی زیادہ حق دار ماں ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ میرے حسن سلوک کا لوگوں میں سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟

تو آپ نے ارشاد فرمایا: تمہاری ماں۔

اس شخص نے کہا: پھر کون زیادہ حق دار ہے؟

تو آپ نے پھر وہی جواب ارشاد فرمایا، تمہاری ماں۔

اس شخص نے پھر عرض کیا: پھر کون زیادہ حق دار ہے؟

تو آپ نے تیسری مرتبہ بھی وہی جواب دہرایا کہ تمہاری ماں!

اس شخص نے چوتھی مرتبہ عرض کیا کہ پھر کون زیادہ حق دار ہے؟

تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر تمہارا باپ۔ (اخرجه البخاری و مسلم)

یعنی والدہ والد پر حسن سلوک کے استحقاق میں تین درجے مقدم ہے۔

اور اس کے برعکس والدین کی نافرمانی کو کبیرہ گناہوں میں شامل کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کیا میں تم لوگوں کو کبیرہ گناہوں کے بارے میں نہ بتادوں (کہ وہ کون کون سے ہیں) تین مرتبہ آپ نے اسی طرح ارشاد فرمایا''۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! ضرور بتلا دیجیے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، آپ علیہ السلام ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے یہ حدیث ارشاد فرمارہے تھے پھر سیدھے بیٹھ گئے اور پھر فرمایا: ''غور سے سنو! جھوٹی گواہی (دینے سے بچنا) صحابہ فرماتے ہیں کہ آپ مسلسل یہ بات دہراتے رہے حتیٰ کہ ہم نے کہا کاش! آپ خاموش ہوجاتے''۔ (متفق علیہ)

بیوی کے ساتھ حسن معاشرت:

قرآن کریم نے اس بات کو واضح طور سے بیان فرمایا ہے کہ نکاح کا مقصد زوجین کے درمیان سکون واطمینان کا وجود اور باہم محبت والفت کا قیام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ (الروم: ۲۱)

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہارے جنس کی بیبیاں بنائیں، تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے، اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی''۔

بلاشبہ اللہ جل شانہ نے بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم فرمایا ہے یا پھر حسن معاملہ کے ساتھ اس سے جدائی اختیار کرنے کا راستہ اپنایا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (النساء: ۱۹)

''اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزارا کیا کرو''۔

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ (البقرۃ: ۲۲۹)

"پھر خواہ رکھ لینا قاعدے کے موافق یا چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ۔"

اور اس کے حق میں بعض حقوق کی ادائیگی کو ایسے ہی لازم کیا ہے جیسا کہ اس کے شوہر کے حق میں اس پر حقوق کی ادائیگی کو لازم کیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (النساء: ۱۹)

"اگر تمہیں وہ بری لگیں تو عنقریب جس چیز کو تم ناپسند کرتے ہو ان میں اللہ تمہارے لیے خیر رکھیں گے۔"

ان آیات کے بعد احادیث کی روشنی میں دیکھا جائے تو سرور دو عالم محمد ﷺ نے اپنے جامع کلام سے میاں بیوی کو آپس میں نیکی و بھلائی کے ساتھ تعلقات استوار رکھنے کا حکم فرمایا، چنانچہ حدیث میں مذکور ہے کہ:

"اخلاق میں بہترین لوگ مومنین میں ایمان کے اعتبار سے کامل ترین ہیں اور تم لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیے سب سے اچھے ہیں"۔

(اخرجه الترمذی و قال حسن صحیح)

اس طرح ایک اور حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے بہترین شخصیت وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے اچھا ہے اور میں تم میں سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے لیے اچھا ہوں"۔

(اخرجه الترمذی من حدیث عائشة)

اور سنت مطہرہ نے بیوی کے ساتھ حسن سلوک کو خوب کھول کر واضح کیا ہے۔ چنانچہ ایک صحابی معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ نے رسول اقدس ﷺ سے پوچھا کہ:

"ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، اور جو تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ (یعنی اپنے مقدور وحیثیت کے مطابق، اور کسی بات سے خفا ہو کر) اس کے چہرے پر نہ مارو، اور اسے برا بھلا مت کہو، اور صرف گھر کی حد تک اس سے قطع تعلق رکھو (ناراضگی کے وقت)"۔ (اخرجہ ابو داؤد)

اس کے ساتھ ہی نبی کریم ﷺ نے اس بات کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ ایسی حسن معاشرت اور بامراد و کامیاب زندگی صرف اور صرف باہم مراعات اور ایک دوسرے کا خیال رکھنے اور ایک دوسرے کی ناگزیر عادات سے چشم پوشی کرنے کی بنیاد پر ہی قائم رہ سکتی ہے۔

چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ:

"کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا (یا یہ کہ اس کو نفرت نہیں کرنی چاہیے) اگر اس کو کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی"۔ (اخرجہ مسلم)

اسی بات کی تائید قرآن مجید کی اس حسن معاشرت والی آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (النساء: ۱۹)

"اگر تمہیں وہ بری لگیں تو عنقریب جس چیز کو تم ناپسند کرتے ہو ان میں اللہ تمہارے لیے خیر رکھیں گے۔"

بیٹیوں کے ساتھ حسن معاملہ:

بہت سے معاشروں اور ادوار میں لوگوں کی یہ عادت رہی ہے کہ بیٹوں سے محبت اور ان کو بیٹیوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اسی لیے شریعت نے اولاد کے درمیان عدل و انصاف برقرار رکھنے کی خوب ترغیب و اہتمام کیا ہے۔ جیسا کہ کوئی تحفہ یا عام طور پر کوئی بھی چیز دینے میں بیٹوں اور بیٹیوں میں مساوات و برابری کرنا اور شریعت میں اس کی مثال نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ

کی حدیث سے ملتی ہے کہ جب ان کے والد بشیر الانصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی باقی اولاد کو چھوڑ کر خصوصاً نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو کوئی چیز دینا چاہی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل و مساوات کرو۔'' (متفق علیه)

بعض سلف صالحین نے بوسہ لینے میں بھی عدل و مساوات کو واجب قرار دیا ہے کہ اس میں بھی اپنی اولاد کے درمیان برابری کی جائے اور احادیث مبارکہ میں اولاد کے اس حق میں کوتاہی کرنے کی صورت میں شدید وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

''اے اللہ میں دو طرح کے ضعیفوں کے حق کو ضائع کرنے کو حرام سمجھتا ہوں ایک یتیم اور دوسری عورت۔'' (اخرجه النسائی)

مطلب یہ ہے کہ جو عورت اور یتیم کا حق ضائع کرے میں اسے گناہ گار ٹھہراتا ہوں۔

اسی طرح اسلام نے ان کی بہترین نگہداشت اور تربیت کی بھی ترغیب دی ہے اور ان کی بہترین اور اسلامی طریقے پر تربیت قیامت کے دن آگ سے ڈھال کا سبب ہوگی۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ:

''جس بندے یا بندی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی (اور اس نے اس ذمہ داری کو ادا کیا) اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بیٹیاں اس کے لیے آگ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔'' (متفق علیه)

بلکہ اس سے بھی بشارت اس کے لیے جنت میں آپ ﷺ کی ہم نشینی کا وعدہ ہے۔ چنانچہ مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو بندہ لڑکیوں کا بار اٹھائے اور ان کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ اور میں قیامت کے دن اس طرح ہوں گے۔'' راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو بالکل ملا کر دکھایا (یعنی یہ کہ جس طرح یہ انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اسی طرح میں اور وہ شخص بالکل ساتھ ہوں گے)۔

آٹھویں وصیت:

غلاموں کے بارے میں وصیت

۱۔ حاکم اور ابن حبان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں آپ ﷺ کی آخری وصیت جس کی فکر انہیں جان کنی کی حالت میں بھی تھی اور جسے وہ بار بار بیان فرما رہے تھے، یہ تھی:

''نماز نماز اپنے غلاموں اور ماتحتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو (یعنی ان کے حقوق ادا کرو)۔'' (اخرجه احمد من حديث ام سلمة)

۲۔ احمد، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ کا آخری کلام یہ تھا:

''نماز نماز [یعنی نماز کبھی نہ چھوڑنا]؛ اور اپنے غلاموں اور ماتحتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو (یعنی ان کے حقوق ادا کرو)۔''

تمہید:

زمانہ جاہلیت میں غلام اپنے آقاؤں کی زمینوں اور کھیتوں میں کام کیا کرتے تھے اور ان پر ان کی طاقت سے کئی گنا زیادہ کام کا بوجھ لاد دیا جاتا تھا اور انہیں کھانے کو صرف اتنا دیا جاتا جس سے وہ اپنے آقاؤں کی خدمت کے لیے زندہ رہ سکیں اور اتنی اذیت رسانی کے بعد بھی انہیں کام کے دوران درمیان میں کوڑوں اور چابکوں کو ان کے گلے میں ڈال کر انہیں گھسیٹا جاتا اور ایسا کسی سزا کی وجہ سے نہیں بلکہ ان آقاؤں کی انوکھی خواہشات کی تکمیل کے لیے کیا جاتا جو ان مسکینوں مزدوروں پر تشدد کر کے لطف اندوز ہوتے تھے۔ غلاموں کی یہ بدترین حالت رومیوں کے یہاں ہوا کرتی تھی۔

مگر فارس، ہندو اور عربوں کے یہاں بھی غلاموں کا حال اس سے کچھ کم بدتر نہ تھا یہاں تک کہ رحمت اور شفقت والے نبی محمد ﷺ کی نبوت کا سورج طلوع ہوا اور انہوں نے غلاموں کو ایسے حقوق دیئے جن کی ادائیگی ان کے آقاؤں پر لازم کر دی اور غلام اور آقا کو احکام کی فرضیت میں ایک برابر درجہ دیا ایک طرف سلمان رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی فرمائی جو کہ فارسی غلام تھے اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ کو بلند مقام عطا کیا اور بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

"میں نے تمہارے جوتوں کی آواز جنت میں سنی ہے۔" (متفق علیه)

اور آقا اور غلام کے درمیان مالکیت ومملوکیت کے تعلق کے بجائے بھائی چارے کا تعلق قائم فرمایا اور اسی بابت یہ ارشاد فرمایا:

"تمہارے خادم تمہارے بھائی ہیں۔" (متفق علیه)

ان کے بارے میں مسلسل آپ ﷺ خیر و بھلائی کی وصیت فرماتے رہے حتیٰ کہ سب سے آخری وصیت نماز کے ساتھ ان کے ساتھ خیر و بھلائی کی بھی وصیت فرمائی۔

خادموں کے ساتھ خیر و بھلائی:

شریعت مطہرہ نے خادموں کے ساتھ خیر و بھلائی کرنے کا حکم دیا ہے اور ان احکام کی مختلف صورتیں اور نوعیتیں مندرجہ ذیل ہیں تا کہ وہ تمام تر پہلوؤں کو شامل ہو جائیں:

۱۔ غلاموں کے ساتھ نفسیاتی پہلو میں حسن سلوک کے بارے میں آپ ﷺ نے انہیں پکارتے وقت ان کے جذبات کا خیال کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ اس بابت ارشاد فرمایا:

"تم میں سے کوئی اپنے غلام یا باندی کو "عبدی" یا "امتی" کہہ کر نہ بلائے (یعنی کوئی حقیر نام دے کر انہیں نہ پکارے جیسا کہ ہمارے معاشرے میں نوکرانیوں کو ماسی اور داسی طرح حقیر نام دینے کا رواج ہے) بلکہ چاہیے کہ اسے "فتای" یا "فتاتی" یا "غلامی" کہہ کر پکارے (یعنی اسے اچھے طریقے سے مخاطب کرے)۔" (متفق علیه)

۲۔ اسی طرح کھانا کھاتے وقت بھی ان کے احساسات کا خیال رکھنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

”جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لیے کھانا تیار کر کے لائے تو اگر (کھانا کم ہونے کی صورت میں) وہ اسے ساتھ بٹھا کر نہ کھلائے تب بھی اسے کچھ نہ کچھ یعنی دو چار لقمے ضرور دے کیونکہ اس خادم نے ہی کھانا بنانے کی تکلیف اٹھائی ہے۔“ (متفق علیہ)

[یعنی کھانا تیار کرنے کی محنت و مشقت برداشت کی ہے۔]

۳۔ اور ان سے بدنی پہلو کے اعتبار سے حسن سلوک کے بارے میں آپ ﷺ نے ان کی طاقت سے ان پر کام کا بوجھ لادنے اور ان سے محنت و مشقت کروانے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث میں مذکور ہے کہ:

”اور ان کو ایسے کام کا مکلف نہ کرو، جو ان کے لیے بہت بھاری ہو اور اگر انہیں ایسے کام کا مکلف کرو تو پھر اس کام میں خود ان کی مدد کرو۔“ (متفق علیہ)

۴۔ اور انہیں مارنے [یا سزا دینے سے] ڈرایا ہے، جیسا کہ حضرت ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا، میں نے پیچھے سے آواز سنی (کوئی کہہ رہا تھا) کہ: ”اے ابو مسعود! تجھے معلوم رہنا چاہیے (اور اس بات سے غافل نہ ہونا چاہیے) کہ اللہ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت اور قابو حاصل ہے جتنا تجھے اس بے چارے غلام پر ہے۔“ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ فرمانے والے رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اس کو آزاد کر دیا) اب یہ (میری طرف سے) اللہ کے لیے آزاد ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر تم یہ نہ کرتے (یعنی اس غلام کو اللہ کے لیے آزاد نہ کرتے) تو جہنم کی آگ تمہیں جلا ڈالتی۔“ (اخرجہ مسلم)

غلاموں کے حقوق:

دین اسلام میں آقا اور غلام خلقت میں دونوں برابر اور ایک ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ آقا کوئی اشرف مخلوق ہے اور غلام کوئی ابتر مخلوق؛ کہ دونوں میں فرق کر کے آقا کو بڑھاوا دیا جائے اور غلام کو نیچ کیا جائے۔ بلکہ تمام انسانوں کی طرح یہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور سلوک اور برتاؤ میں برابر کے حق دار ہیں۔ اللہ رب العزت کی حکمت کا تقاضا ہے کہ آقا اور غلام کے درمیان معاشرے میں موجود اس فرق کو پہچانا جائے تا کہ زمین کو آباد کرنے سے اللہ تعالیٰ کی غرض و ارادہ کی تکمیل ہو سکے اور یہ ان دونوں کے لیے آزمائش اور امتحان ہو یہ تمام امور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں بیان فرمائے ہیں:

﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ (الزخرف: ۳۲)

''کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں، دنیوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک دوسرے پر فوقیت دی ہے تا کہ ایک دوسرے سے کام دیتا رہے (اور عالم کا انتظام قائم رہے) اور آپ کے رب کی رحمت بدرجہا اس سے بہتر ہے جسے یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ﴾ (النساء: ۲۵)

''اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان سے بخوبی واقف ہے۔''

اس آیت کریمہ میں ''بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ'' کا کوئی بھی متبادل لفظ اس سے زیادہ بلیغ نہیں ہے جو کہ لوگوں کے درمیان مساوات پر واضح طور پر دلالت کرے۔ بالتحقیق دین اسلام نے خادموں کے کچھ حقوق وضع کیے اور ان حقوق کی ادائیگی ان کے آقاؤں پر لازم کی ہے،

وہ حقوق اجمالاً یہاں مذکور ہیں:

۱۔ جو کھانا خود کھایا جائے ان غلاموں کو بھی اسی کھانے میں سے کھلایا جائے۔

۲۔ جو لباس خود پہنا جائے ان کو بھی ویسا ہی لباس پہنایا جائے۔

۳۔ ان سے کام کراتے وقت اس بات کا لحاظ رکھنا کہ وہ کام ان پر بھاری بوجھ نہ ہو۔

۴۔ ان سے کام کراتے وقت ان کی مدد کرنا، ان کا دل خوش کرنے اور تخفیف کے طور پر۔

۵۔ ان کو سزا نہ دی جائے [مار پیٹ نہ کی جائے]۔

۶۔ ان کو عار نہ دلائی جائے۔

۷۔ انہیں اپنا مسلمان بھائی سمجھا جائے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"تمہارے غلام (بھی) تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ نے انہیں تمہارے ماتحت بنایا ہے، تو اللہ جس کے زیردست اور (تحت حکم) اس کے کسی بھائی کو کردے تو اس کو چاہیے کہ اس کو وہ کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہ پہنائے جو خود پہنتا ہے اور تم لوگ (اپنے) غلاموں کو کسی ایسے کام کا مکلف نہ کیا کرو جو اس کے لیے بہت بھاری ہو اور اگر ایسے کام کا مکلف کرو تو پھر اس کام میں خود اس کی مدد کیا کرو۔"

(متفق علیہ)

۸۔ ان کی مزدوری اور اجرت کی جلد ادائیگی کرنا اور اس میں ٹال مٹول نہ کرنا چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ پاک فرماتے ہیں:

"تین آدمی ایسے ہیں کہ میں قیامت کے دن ان سے جھگڑوں گا (یعنی ان سے جھگڑ کر وہ حق اس کے حق دار کو دلواؤں گا جس کی ادائیگی میں ان تینوں نے کوتاہی کی ہوگی)؛ ایک وہ شخص جس نے میرا تابع و فرمانبردار (ہو کر بیعت کی) ہو؛ اور پھر اس نے غداری کر لی اور بے ایمان ہو گیا (بیعت توڑ دی)۔ دوسرا وہ شخص جس نے آزاد آدمی کو (اغوا کر کے) بیچ دیا؛ اور اس کی قیمت کھا لی۔ اور تیسرا وہ شخص جس نے اجرت پر مزدور رکھا، اس سے پورا کام لیا اور پھر اسے اس

کی مزدوری نہ دی۔" (اخرجه البخاری)

ایک ضروری تنبیہ:

اس فصل میں وارد اکثر احادیث وہ ہیں جو غلاموں کے متعلق آئی ہیں۔ چونکہ دور حاضر میں پوری دنیا سے غلامی ختم ہو چکی ہے اور بین الاقوامی معاہدہ طے پایا ہے کہ کسی کو غلام نہیں بنایا جائے گا۔ اس پر اسلامی ممالک نے بھی اتفاق کیا ہے لہٰذا اس معاہدے کی پاس داری اب ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ (المائدة : ١)

"اے ایمان والو! معاہدوں کو پورا کرو۔"

لہٰذا اب ان احادیث کی تعلیمات سے مراد وہ خادم اور ملازم ہوں گے جن کے اوقات واعمال ان کے مالک کی ملکیت ہوتے ہیں۔

نویں وصیت:

امانت کی ادائیگی کے بارے میں وصیت

۱۔ امام احمد ابوحرہ الرقاشی سے اور وہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں؛ وہ فرماتے ہیں:
''میں ایام تشریق کے درمیان والے دن (یعنی ۱۱ ذی الحجہ کو) رسول اکرم ﷺ کی اونٹنی کی لگام پڑے ہوا لوگوں کو ان سے پیچھے ہٹا رہا تھا؛ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! - پھر ایک طویل و مؤثر خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں یہ بات بھی ذکر کی: ''خبردار جس کے پاس کوئی امانت ہو تو وہ اسے اس کے مالک کے حوالے کر دے۔''

۲۔ امام احمد، ترمذی، بیہقی اور طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اقدس ﷺ کو حجۃ الوداع کے خطبے میں یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:
''عاریۃً لی گئی چیز کو ادا کیا جائے گا اور قرض کا ضامن اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے اور قرض کی ادائیگی از حد ضروری ہے۔'' (و قال الترمذی: حسن غریب)

تمہید:

بلاشبہ امانت اپنے شرعی مفہوم میں ایک انتہائی اہم اور عام کلمہ ہے۔ عظیم مفہوم و معانی والا اور ذہن میں آنے والے اس کے متعلق تمام معانی و تصورات کو شامل ہے۔ امام قرطبی مالکی رحمہ اللہ اللہ پاک کے اس قول کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾ (المومنون: ۸)

اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کا خیال رکھنے والے ہیں۔''

''امانت اور عہد پردہ دینی و دنیوی امر جس کا انسان حامل ہو ان سب کو جامع ہے۔ چاہے وہ امر قولی ہو یا فعلی اور یہ لوگوں سے تعلقات و میل جول اور ان سے عہد و پیمان سب کو شامل ہے اور اس کی غرض و غایت اس کی حفاظت اور اس کی تکمیل ہے''۔

امانت کی اسی اہمیت کی وجہ سے اور اس کی انتہائی سنگینی اور ذمہ داری کی وجہ سے پہاڑوں، ساتوں آسمانوں اور زمین نے اپنی مضبوطی وقوت خلقی کے باوجود اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس کو انسان نے اٹھایا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ٥﴾

(الاحزاب: ٧٢)

''ہم نے یہ امانت (یعنی احکام) آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی؛ انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا، بے شک وہ ظالم اور جاہل (یعنی لاعلم) ہے۔''

اللہ پاک نے انسان کو یہاں جہالت اور ظلم کی صفت سے موصوف کیا ہے۔ اس لیے نہیں کہ اس نے امانت کی ذمہ داری قبول کی، اس کی ذمہ داری قبول کرنا تو سراسر شرف و فضیلت کا باعث ہے بلکہ اس لیے کہ انسان نے اس امانت کی ذمہ داری لینے کے بعد اس کے تحفظ و تکمیل اور وجوب ادائیگی ترک کر دی۔

درحقیقت امت مسلمہ میں امانت کی ادائیگی میں کوتاہی بہت حد تک بڑھ گئی ہے۔ چنانچہ امانت رکھوانے والے شخص کے مال میں خیانت اور ملازمین اور مزدوروں سے کیے گئے عہد کی تکمیل کے برعکس عہد شکنی اور ان کی حق تلفی کرنا عام ہو چکا ہے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ کی اس امت کے متعلق خوب تاکید اور اہتمام رہا حتیٰ کہ اپنی حیات مبارکہ کے آخری لمحات میں بھی۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے اس بات کی پیشین گوئی کی کہ امت میں

سب سے پہلے مفقود ہونے والی چیز یہی امانت ہوگی۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ:

''تم لوگ اپنے دین میں سب سے پہلے امانت کا فقدان پاؤ گے۔''

(اخرجه الحاكم و صححه)

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف غور فرمایئے! جو کہ آپ ﷺ کے راز دار تھے؛ وہ امانت کے بارے میں فرماتے ہیں:

ہمیں آپ ﷺ نے دو باتوں کی خبر دی تھی ان میں سے ایک تو ہوتا ہوا میں نے دیکھ لیا اور دوسری بات کے وقوع کا منتظر ہوں۔

رسول نے (ایک تو) امانت کے بارے میں بتایا تھا کہ: ''وہ لوگوں کے دلوں کی گہرائی میں اترے گی (یعنی ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے گی؛ جس کے نتیجے میں) وہ لوگ قرآن وسنت کا علم حاصل کریں گے (اور اس پر عمل پیرا ہوں گے) ۔اور (دوسری بات) ہمیں اس کے اٹھائے جانے کے بارے میں بتائی اور فرمایا کہ: ''آدمی کو ایک اونگھ آئے گی اور (اس کے دل سے) امانت کو قبض کر لیا جائے گا اور بس اس کا اثر ایک آبلہ کی طرح رہ جائے گا جس طرح تم ایک دہکتے ہوئے انگارے کو اپنے پاؤں پر گرا دو پھر وہ تمہارے پاؤں میں آبلہ کر دے تو تم اس آبلہ کو پھولا ہوا تو دیکھو گے مگر اس میں (گندے پانی کے علاوہ) کچھ نہ ہوگا۔ لہٰذا لوگ صبح اٹھ کر خرید و فروخت کریں گے مگر ان میں سے ایک بھی امانت دار نہ ہوگا (اور امانت کی ادائیگی اتنی نادر الوجود ہو جائے گی کہ) پھر یوں کہا جائے گا۔ فلاں قبیلے میں ایک آدمی بہت امانت دار ہے اور ایک آدمی کو یوں کہا جائے گا کہ وہ کتنا عقلمند، کتنا اعلیٰ ظرف اور کتنا صابر و دلیر آدمی ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔'' (متفق علیه)

امانت کے فضائل:

اگر امانت کے بارے میں اور کوئی فضائل نہ ہوتے سوائے اس کے کہ لوگ امانت دار

شخص سے محبت کرتے ہیں، اس کی قدر کرتے ہیں اور اس کو بڑا درجہ دیتے ہیں تو بس اس کی صرف یہ ایک ہی فضیلت کافی تھی اور اس سے بڑی بات کیا ہوسکتی ہے کہ امانت داری دراصل اللہ کے حکم کی فرمانبرداری ہے، اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ (النساء: ۵۸)

''اللہ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم امانت اس کے اہل تک پہنچاؤ۔''

اسی طرح یہ مومن کی امتیازی صفات میں سے ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ:

''اس شخص کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں جس میں امانت داری کی صفت نہ ہو۔''

(اخرجہ الطبرانی و ابن حبان)

اور مؤمنین میں کامل ترین ایمان اللہ رب العزت کے انبیاء اور اس کے رسولوں کا ہے ان میں سے ہر ایک نبی و رسول اپنی قوم سے یہ کہتے تھے:

﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ﴾ (الشعراء: ۱۰۷)

''بلاشبہ میں تمہارے لیے (بھیجا گیا) امانت دار رسول ہوں۔''

اسی لیے امانت خیر القرون میں امتیازی صفت کا درجہ رکھتی تھی۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''سب سے زیادہ بہترین لوگ میرے موجودہ زمانے کے لوگ ہیں پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔ پھر ان کے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو (ایسے وقت میں) گواہی دیں گے (جبکہ) ان سے گواہی دینا طلب نہ کیا جائے گا (یعنی بلا ضرورت جھوٹی گواہی دیں گے) اور (لوگوں کے اموال میں) خیانت کریں گے اور (اسی وجہ سے) ان کے پاس امانت نہ رکھوائی جائے گی...... الحدیث۔'' (متفق علیہ)

مسلمان کی زندگی میں امانت کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے شریعت نے اس امتیازی صفت سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ حتیٰ کہ خائن لوگوں سے امانت

داری کا سلوک روا رکھنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ:

''جو تمہیں (اپنی کوئی چیز بطور) امانت رکھوائے تو تم اسے اس کی امانت (جوں کی توں) ادا کرو، اور جو تمہارے ساتھ خیانت کرلے تو (بدلے میں) تم اس کے ساتھ خیانت مت کرو۔'' (اخرجه ابو داود و الترمذی و قال: حسن غريب)

امانت میں خیانت کرنا منافقین کی نشانیوں میں سے ہے:

پیچھے جو کچھ گزرا اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ امانت کے زیور سے آراستہ ہونا مومنین کی امتیازی صفات میں سے ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان چیدہ و برگزیدہ مومنین کا امتیازی وصف ہے جو کہ پاکیزہ نفوس والے اور اولوالعزم تھے۔ اور اس کے برعکس (دین اور ایمان میں ناقص اور کمزور دلوں والے اور پست ہمتوں والے لوگوں (یعنی منافقین) کا امتیازی وصف خیانت اور غداری کرنا ہے۔ چنانچہ بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ:

''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔'' (متفق علیه)

ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے:

''اگرچہ وہ روزہ رکھے، نماز پڑھے اور یہ سمجھے کہ وہ مسلمان ہے (مگر منافق والی صفات ہونے کی وجہ سے اعتقادی منافق تو نہیں مگر عملی منافق ہوگا)''۔

اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے کہ:

''تمہیں آدمی کی صرف شان و شوکت تعجب میں نہ ڈالے۔ مگر جو امانت ادا کرے اور لوگوں کی آبروریزی سے رکا رہے تو وہ اصل میں کامل مرد ہے''۔

(اخرجه البيهقي في الكبرى)

دسویں وصیت:

مشرکین، یہود اور نصاریٰ کا جزیرہ عرب سے اخراج

۱۔ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:
"جمعرات کا دن (اور تمہیں کیا معلوم کہ) کیا تھا"۔ یہ کہہ کر وہ خوب روئے حتیٰ کہ ان کے آنسوؤں سے (وہاں مسجد میں ان کے قریب موجود) کنکریاں تر ہو گئیں (یعنی خوب رونا مراد ہے) پھر فرمایا:" جمعرات کے دن رسول اکرم ﷺ کا مرض شدت اختیار کر گیا تھا؛ اور انہوں نے اپنی وفات کے وقت تین باتوں کے کرنے کی وصیت فرمائی تھی (وہ یہ ہیں):

۱۔ مشرکین کو جزیرہ عرب سے باہر نکال کرو۔

۲۔ اسلام کے لیے آنے والے وفدوں (کی تالیف قلب) کے لیے اسی طرح انعام واکرام کیا کرو جیسا میں کیا کرتا تھا۔

۳۔ اور میں تیسری وصیت بھول گیا ہوں۔

یعقوب بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے مغیرہ بن عبدالرحمٰن سے جزیرہ عرب کے بارے میں پوچھا (کہ وہ کن علاقوں پر محیط ہے؟) تو انہوں نے فرمایا:
"مکہ، مدینہ، یمامہ اور یمن (جزیرہ عرب میں شامل ہیں) یعقوب فرماتے ہیں کہ عرج تہامہ کا ابتدائی علاقہ (یہ بھی جزیرہ عرب میں شامل ہے)"۔

حدیث میں یمن سے مراد قدیم یمن ہے یعنی جو مکہ کے جنوب میں واقع ہے۔ صنعاء اور یمن کے دوسرے صوبے قدیم یمن میں شامل نہیں ہیں جیسا کہ شافعی رحمہ اللہ کے عنقریب آنے والے کلام سے واضح ہو جائے گا۔

۲۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے؛ وہ فرماتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

"میں ضرور بضرور یہود ونصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا حتیٰ کہ اس میں مسلمانوں کے علاوہ کسی کو نہ چھوڑوں گا"۔

۳۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے؛ آپ فرماتی ہیں:

"وہ آخری وصیت جو آپ ﷺ نے کی وہ یہ تھی:

"جزیرہ عرب میں دو دین نہیں رہنے دیئے جائیں گے"۔

جبکہ یہ جزیرہ ابتدائے اسلام سے دین اسلام کا حرم، اس کا پہلا گھر اور مسلمانوں کا قبلہ رہا ہے، یہیں سے عقیدۂ توحید کا نور پھوٹا (اور واپس سمٹ کر پوری دنیا سے) اسی کی طرف چلا جائے گا۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"اسلام کی ابتدا اجنبیت کی حالت میں ہوئی تھی اور یہ واپس (اپنے ابتدائی دور کی طرح) اجنبی ہو جائے گا اور دو مسجدوں کے درمیان سمٹ جائے گا جیسا کہ سانپ اپنے بل میں سمٹ کر واپس آ جاتا ہے"۔ (اخرجہ مسلم)

تو یہ امر ضروری تھا کہ دین اسلام کے علاوہ کسی بھی قسم کے دوسرے مذہب کا اس میں دائمی وجود نہ رہے چاہے وہ وجود کسی شخص کی صورت میں ہو یا کسی فرم (کارخانے) یا کسی ادارے کی صورت میں"۔

جیسا کہ (اس سے متعلق) تمام نصوص کے درمیان تطبیق کی جائے تو اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ احادیث شریفہ میں جزیرہ عرب سے مراد وہ علاقہ ہے جو حالیہ دور میں مملکت سعودی عرب کی اندرونی حدود میں واقع ہے۔ ابن قدامہ کا "مغنی" میں یہ قول ہے کہ کفار کی رہائش سے ممنوعہ علاقہ مدینہ اور اس کے اردگرد کا ہے اور مدینہ کے اردگرد کے علاقے میں مکہ، یمامہ، خیبر، ینبع، فدک، اس کے صوبے اور اس کے اردگرد کے علاقے شامل ہیں اور یہی قول امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ہے۔ کیونکہ نہ یہ تیماء سے جلاوطن کیا گیا تھا اور نہ یمن سے۔ پھر ابن

قدامہ آگے فرماتے ہیں گویا ان احادیث میں جزیرۂ عرب سے مراد حجاز کا علاقہ ہے۔

بیہقی نے "معرفة السنن و الآثار" میں لکھا ہے کہ "حجاز سے مراد مکہ، مدینہ، یمامہ اور اس کے گرد و پیش کے تمام صوبے ہیں کیونکہ (کفار اور یہود و نصاریٰ) کا حجاز کی رہائش کو چھوڑنا منسوخ ہے اور آپ ﷺ نے اہل خیبر (کے یہودیوں) سے حسن معاملہ کرتے ہوئے انہیں جلاوطنی سے مستثنیٰ کر دیا تھا اور یہ ارشاد فرمایا تھا:

"میں تمہیں یہاں جب تک ٹھہراؤں گا جب تک اللہ تعالیٰ تمہیں ٹھہرائیں"۔

(اخرجه مالك في الموطا)

پھر ہمیں انہیں حجاز کی سرزمین میں سے جلاوطن کرنے کا حکم دیا گیا...... پھر تفصیلی طور پر اس بات کو یہاں تک بیان کیا کہ...... آپ ﷺ کا ارض حجاز سے ان (یہود و نصاریٰ) کو جلاوطن کرنے کے حکم کو اس بات پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے کہ اب یہ لوگ یہاں رہائشی طور پر نہیں رہیں گے اور اگر آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ اب دو دین باقی نہیں رہیں گے صحیح طرق سے ثابت ہو جاتا ہے تو پھر آپ کے حکم کو اس بات پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے کہ مستقل اور دائمی طور پر دو دین باقی نہیں رہیں گے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یمنیوں سے زیادہ بہتر اور صاف، شفاف ذمی میرے علم میں نہیں ہیں، اس وقت وہ ذمی تھے اور یمن حجاز میں نہیں تھا۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کفار کی قسمیں ذکر کرنے کے بعد اہل ذمہ کے احکام کے بارے میں فرماتے ہیں: "کفار یا تو اہل حرب ہوتے ہیں یا پھر اہل عہد ہوتے ہیں۔ اور پھر اہل عہد کی بھی تین قسمیں ہوتی ہیں: اہل ذمہ، اہل ہدنہ اور اہل امان (یعنی جن سے جنگ کے بعد صلح کر لی جائے) پھر اہل امان کے بارے میں فرمایا:

مستامن (امن طلب کرنے والا) وہ ہوتا ہے جو بلاد مسلمین میں رہائش اختیار نہ کرنے کی غرض سے آیا ہو۔ یہ بھی چار قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) (ملکوں کے) سفیر (۲) تاجر (۳) مستجیرین (یعنی پناہ اور حفاظت طلب

کرنے والے)، ان کے سامنے اسلامی تعلیمات اور قرآن پیش کیا جائے گا اگر وہ چاہیں تو اسلام میں داخل ہو جائیں اور اگر وہ چاہیں تو اپنے ملکوں میں واپس چلے جائیں“۔

۴۔ اور کسی جگہ کی زیارت یا تفریحی مقامات کی سیر کی غرض سے آنے والے (بھی مستجیرین میں شامل ہیں) ان سب کا حکم یہ ہے کہ نہ ان سے جنگ کی جائے گی، نہ انہیں قتل کیا جائے گا اور نہ ہی ان سے جزیہ و خراج وغیرہ وصول کیا جائے گا۔ اور ان میں سے مستجیرین (پناہ اور حفاظت مانگنے والوں) کے سامنے اسلامی تعلیمات اور قرآنی نظریہ و توحید پیش کی جائیں گی، پس اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو ٹھیک؛ ورنہ اگر وہ واپس اپنے ملک جانا چاہیں تو چلے جائیں گے۔ اور ان سے ان کے ملک پہنچنے سے پہلے مقابلہ نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا جب وہ اپنے ملک یعنی دار الحرب پہنچ جائیں گے تو پہلے کی طرح حربی بن جائیں گے (اور ان سے جنگ کرنا جائز ہوگا)۔

اور علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے (صحیح مسلم کی مخطوط شرح میں منقول ہے:) جب پوچھا گیا کہ: اہل کتاب میں سے یہود و نصاریٰ کے مزدوروں اور عاملین کو خادم بنایا جا سکتا ہے؟

”تو انہوں نے فرمایا: جی ہاں! یہ جائز ہے، مگر یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لوگ یہاں رہ کر یہیں کی شہریت اختیار کرلیں، یہ بات جزیرہ عرب میں ممنوع ہے۔ لیکن اگر وہ لوگ تجارت یا کسی اور کام وغیرہ میں شریک بن کر مستقل شہریت اختیار کیے بغیر یہاں آئیں تو پھر کوئی حرج نہیں“۔

اس بات کی شہادت میں ابن خزیمہ رحمہ اللہ کا اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اللہ کے اس ارشاد میں روایت کردہ قول ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا۟ ٱلْمَسْجِدَ ٱلْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَـٰذَا﴾ (التوبة: ٢٨)

”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو بے شک مشرکین نجس و ناپاک ہیں لہٰذا وہ

مسجد حرام کے قریب بھی نہ لگیں اپنے اس سال کے بعد۔''

''سوائے اس شخص کے جو اہل ذمہ میں سے ہو یا غلام ہو۔''

یعنی اس کا مسلمانوں کے ساتھ امان اور حفاظت میں رکھنے کا عہد ہو اور یہاں اہل ذمہ اپنی معروف فقہی اصطلاح میں مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ اس طرح تو یہود و نصاریٰ کے جزیرہ عرب سے اخراج کی حدیث کو مشرکین کے جزیرہ عرب کو مستقل رہائش بنانے سے ممنوع قرار دینے پر محمول کیا جائے گا نہ کہ محدود وقت کے لیے کسی کام یا تجارت کی غرض سے ان کے جزیرہ عرب میں رہائش اختیار کرنے پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ یہ باہر سے آنے والے کفار کا طریقہ ہے۔

اور جزیرہ عرب میں (غیر مسلم) لوگوں کے لیے مستقل رہائش کو ناممکن بنانا ابتدائی نوعیت سے ہی غیر مسلمین کو عبادت کی جگہیں اور مذہب غیر اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے مراکز اور مختلف ادارے قائم کرنے کی فراہمی کے عدم جواز پر دلالت کر رہا ہے۔

گیارہویں وصیت:

شرک اور اس کے اسباب پر تنبیہ

۱۔ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے؛ وہ فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ نے اپنی چادر کے کونے سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا، پھر جب آپ کا دم گھٹنے لگا تو آپ نے اپنے چہرہ مبارک سے چادر ہٹائی پھر اسی طرح فرمایا:

"یہود و نصاری پر اللہ کی لعنت ہو، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا۔" یعنی آپ ان کے اس فعل پر اللہ کے عذاب سے ڈرا رہے تھے"۔

۲۔ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں ارشاد فرمایا:

"اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاری پر، جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا"۔ (اس کے بعد) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"اگر یہ وعیدیں پیش نظر نہ ہوتیں تو رسول ﷺ کی قبر بھی تھوڑی اونچی کر دی جاتی مگر اس کے مسجد بنائے جانے کے خوف سے ایسا نہ کیا گیا"۔

۳۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کو ان کی وفات سے پانچ دن قبل یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

"غور سے سنو! تم سے پہلے کے لوگ اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو مساجد بنا لیا کرتے تھے، خبردار رہو! پس تم قبروں کو مساجد نہ بنانا، میں تمہیں اس کام سے منع کرتا ہوں"۔

۴۔ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے ایک کنیسہ (عیسائیوں کی عبادت گاہ) کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا اور اس میں کچھ (نیک لوگوں کی) تصاویر بھی تھیں تو ان دونوں نے رسول علیہ السلام کے سامنے بھی اس کا تذکرہ کیا، اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''درحقیقت ان لوگوں میں سے جب کسی نیک آدمی کی وفات ہوتی تو یہ لوگ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں اس کی چند تصاویر بنا دیتے، پس یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے''۔

۵۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو الہیاج الاسدی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ: مجھ سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں تمہیں ان احکام کی بنیاد پر نہ بھیجوں جن احکام کی بنیاد پر مجھے رسول ﷺ نے (دعوت وارشاد کے لیے) بھیجا تھا؟ (وہ امور اور احکام یہ ہیں) کہ تم کوئی بت مت چھوڑنا مگر یہ کہ اسے توڑ دو؛ اور کوئی اونچی قبر مت چھوڑنا مگر یہ کہ اسے زمین کے ساتھ برابر کر کے رکھ دو''۔

۶۔ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''آپ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ قبر کو چونے اور گارے سے پختہ کیا جائے اور اس پر بیٹھا جائے اور اس پر (مزار وغیرہ یا مسجد وغیرہ) بنائی جائے''۔

تمہید:

درحقیقت سب سے عظیم الشان امر جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے وہ عبادت و بندگی میں اللہ کی توحید کا اقرار اور اس کو اکیلا ٹھہرانا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ﴾ (البینۃ : ۵)

''اور انہیں نہیں حکم دیا گیا سوائے اس کے کہ وہ اخلاص کے ساتھ یکسو ہو کر اللہ کی

عبادت کریں۔"

اور پیغمبروں کی بعثت اور کتب کا نزول بھی صرف اسی مقصد کی تکمیل کے لیے ہوا ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (الانبياء: ٢٥)

"اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے کوئی رسول مگر ہم اس کی طرف وحی کرتے تھے کہ بے شک نہیں ہے کوئی معبود سوائے میرے پس تم لوگ میری عبادت کرو۔"

اور اس کے برعکس سب سے بڑا گناہ اور بدترین اور انتہائی سنگین جرم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ (النساء: ٤٨)

"بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں جس کے لیے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ﴾ (المائدة: ٧٢)

"بے شک جو شخص اللہ کے ساتھ شریک قرار دے گا سو اس پر اللہ تعالیٰ جنت کو حرام قرار دے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔"

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ (الزمر: ٦٥)

"اور آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کی طرف

بھی یہ (بات) وحی میں بھیجی جا چکی ہے کہ اے عام مخاطب! اگر تو شرک کرے تو تیرا کیا کرایا کام (سب) غارت ہو جائے گا اور تو خسارہ میں پڑے گا۔“

شرک کی اس سنگینی کی وجہ سے خیر خواہ امانت دار نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو شرک، اس کے ذرائع، اس کے اسباب اور اس کی طرف دعوت دینے والی ہر چیز کے بارے میں اللہ کے عذاب سے خوب ڈرایا ہے۔

شرک کے اسباب اور ذرائع:

شرک کے اہم اسباب میں سے ایک سبب نیک بندوں کے اکرام میں مبالغہ کرنا ہے۔ خاص کر جو ان میں سے انتقال کر گئے ہیں؛ ان کی قبروں کو عبادت گاہ بنانا، ان پر تعمیرات کرنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں:

”ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں کچھ نیک بندوں کے نام تھے، جب ان کا انتقال ہو گیا تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ ان لوگوں کی مورتیاں بنا کر ان کی جگہوں پر رکھ دو، اور انہیں ان کے ناموں سے پکارو، لوگوں نے ایسا ہی کیا، لیکن ان کی عبادت نہیں کی جاتی تھی۔ جب یہ لوگ بھی دنیا سے چل بسے اور علم ختم ہو گیا تو ان کی مورتیوں کی عبادت کی جانے لگی اور ”لات“ جو مشرکین کے معبودوں میں سے تھا (اللہ نے قرآن میں بھی اس کا ذکر کیا ہے) اصل میں وہ ایک نیک آدمی تھا جو حجاج کے لیے کھانا بناتا تھا جب اس کا انتقال ہو گیا لوگوں نے اس کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیا“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے: ﴿اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰی﴾ آپ فرماتے ہیں:

”لات“ ایک آدمی تھا جو حجاج کے لیے ستو گھولتا تھا“۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نیک بندوں کی قبروں کو بلند کرنا، ان کی مورتیاں بنانا

اور ان کی قبروں کو عبادت گاہ بنانا، شرک کے اہم اسباب میں سے ہیں''۔

اگر آپ ذرا غور کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے نیک بندوں کی مورتیاں بنانے اور ان کی قبروں کو عبادت گاہ بنانے سے کتنی سختی سے منع کیا ہے؛ تو آپ پر رسول اللہ ﷺ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تصویریں مٹانے اور اونچی قبروں کو ہموار کرنے کے لیے بھیجنے کی حکمت واضح ہو جائے گی۔

اگر آپ اس کا تقابل آج کے مسلمانوں کے شہروں میں جو ہو رہا ہے؛ اور اس پر علماء کی خاموشی اختیار کرنے سے کرلیں تو آپ پر رسم و رواج کے اثر کی قوت واضح ہو جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس خطرناک اور عظیم برائی پر انکار کرنے والے بہت کم ہیں۔

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قبروں کو اونچا بنانے اور اس پر گنبد اور مسجدیں بنانے والے کے لیے طرح طرح کی وعیدیں ہیں، بعض جگہ ایسا کرنے والے پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے اور بعض جگہ فرمایا: ''اللہ کا غصہ ہو ان لوگوں پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا۔ اور بعض مرتبہ صحابہ کو ان قبوں اور مزارات کے گرانے کے لیے بھیجا۔ اور بعض مواقع پر ان کے فعل کو یہود و نصاریٰ کا فعل بتایا، یہ بھی فرمایا کہ ''میری قبر کو معبد نہ بنا لینا۔''

یہ بھی فرمایا کہ ''میری قبر کو عید گاہ نہ بنانا۔''

یعنی اس کی زیارت کے لیے خاص وقت مقرر نہ کرنا کہ لوگ صرف اسی وقت جمع ہوں اور زیارت کریں۔''

جیسے آج کل لوگ کرتے ہیں کہ قبروں کی زیارت کے لیے ایک خاص وقت مقرر کر لیتے ہیں۔ جس میں سب جمع ہو کر عبادت کرتے ہیں اور بے شک ان سب اعتقادات کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ جو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں ڈالا ہے وہ یہ ہے:

قبروں کو بلند کرنا [ان پر قبے اور مزارات تعمیر کرنا]، ان پر چادریں چڑھانا، ان کو پکا

بنانا، ان پر خوب تزئین و آرائش کرنا۔ کیونکہ جب جاہل آدمی یہ سب دیکھے گا کہ قبر اتنی بلند و بالا ہے، اس پر گنبد بنے ہوئے ہیں، اس سے خوشبو پھوٹ رہی ہے؛ تو لامحالہ اس کے دل میں قبر والے کی تعظیم پیدا ہوگی۔ اور قبر والے کی حیثیت کیا ہے اس کو نہیں سوچے گا۔ بلکہ قبر کی شان و شوکت دیکھ کر اس کے دل میں تعظیم پیدا ہوگی۔ اور یہی شیطان کا سب سے بڑا فریب ہے جس سے وہ مسلمانوں کو گمراہ کرتا ہے۔ پھر یہ آدمی آہستہ آہستہ دین سے دور ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ صاحب قبر سے ایسی چیزیں طلب کرنے لگتا ہے جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی دے نہیں سکتا۔ قبر کو پہلی نظر دیکھنے سے ہی اس کے دل میں شرک پیدا ہو جائے گا اور سوچے گا کہ اس مردے کے ساتھ اتنا اکرام اور اس کی قبر پر اتنا اہتمام بلاوجہ نہیں بلکہ اس میں کوئی دنیاوی یا اخروی کوئی فائدہ ضرور ہے۔

جب وہ دیکھتا ہے کہ (نام ونہاد مولوی) علمائے سوء اس قبر کی زیارت کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس پر مجاور بنتے ہیں، قبروں کے گوشوں اور کونوں کو مضبوطی سے پکڑے ہوتے ہیں تو اس وجہ سے وہ اپنے آپ کو کم تر سمجھنے لگتا ہے۔ اور ان مزاروں پر شیطان نے بنی آدم میں سے کچھ لوگ اپنے وسوسے سے ایسے مقرر کر دیئے ہوتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں اور جو بھی ان قبروں کی زیارت کرنے آتا ہے انہیں ایسے واقعات سناتے ہیں جو انہوں نے اپنی طرف سے گھڑے ہوئے ہوتے ہیں اور اسے میت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اور لوگ ان کی باتوں پر یقین بھی کر لیتے ہیں اور کچھ جھوٹی باتیں اپنی طرف سے بنا کر انہیں کرامات کا نام دیتے ہیں۔ پھر ہر آنے والے کو سناتے ہیں اس طرح یہ باتیں پھیل جاتی ہیں۔ اور جو لوگ ان مُردوں سے حسن ظن رکھتے ہیں وہ ان باتوں کو عوام الناس میں پھیلا دیتے ہیں۔ پھر جاہل لوگ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور میت کے لیے نذریں چڑھاتے ہیں اپنا محبوب ترین مال ان پر خرچ کرتے ہیں یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ ایسا کرنے سے ان کو فراوانی ملے گی اور اللہ تعالیٰ سے قربت نصیب ہوگی؛ اور سمجھتے ہیں کہ یہ بہت بڑی نیکی ہے۔

اس طرح ان لوگوں کا جنہیں شیطان نے مزاروں پر مقرر کیا ہوتا ہے مقصود حاصل ہو

جاتا ہے اور وہ ان جھوٹی باتوں کے ذریعے مال و دولت حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے قبروں پر بہت زیادہ نیازیں چڑھنے لگی ہیں اور بہت سا مال ان پر وقف کیا جاتا ہے۔

امام علامہ محمد بن اسماعیل صنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جان لو کہ ہم جن امور کو یہاں پر بھرپور انکار کرتے رہے ہیں اور ان کے انہدام کے لیے کوشاں ہیں یہ دراصل ان عوام الناس سے صادر ہونے والے اعمال ہیں جن کا اسلام ان کے آباء واجداد کی تقلید جامد پر مبنی ہے؛ ان کو صحیح غلط کا کچھ پتہ نہیں۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے اور پروان چڑھتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کے گھر والے؛ محلے والے سب ہی اسے اس بزرگ کا جس کے یہ لوگ معتقد ہیں، نام لینے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور دیکھتا ہے کہ لوگ ان [کی قبروں] پر [جا کر] نذریں چڑھا رہے ہیں ان کی تعظیم کرتے ہیں؛ اور اسے بھی ان بزرگوں کے مزارات پر لے جاتے ہیں تو اس کے دل میں بھی ان کی تعظیم پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی ان کا معتقد بن جاتا ہے۔ بچہ اسی پر پروان چڑھتا ہے اور بڑا ہو جاتا ہے۔ اور کسی کو اس سے منع کرنے والا نہیں پاتا۔ بلکہ علماء (سوء)، عدالت کے جج یا کسی بڑے منصب (مثلاً فتویٰ، درس وتدریس یا ولایت) پر فائز لوگ بھی اس قبر والے کی تعظیم کرتے ہیں اس پر نذریں چڑھاتے ہیں اور قبروں کے نام کا ذبیحہ کھاتے ہیں تو عام لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ہی دین اسلام ہے''۔

کتاب وسنت کی شد بد رکھنے والے کسی بھی عقل مند پر یہ بات مخفی نہیں کہ کسی برائی پر عالم دین، یا پورے عالم کا سکوت اختیار کرنا (اور اس برائی سے منع نہ کرنا) اس برائی کے جواز کی دلیل نہیں ہے۔ ہر خاموشی رضامندی پر دلالت نہیں کرتی۔ (اصل بات یہ ہے کہ) ان منکرات کو ایجاد کرنے والے تو وہ لوگ ہیں جن کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہے۔ اور باقی سب لوگ ان کے ماتحت ہیں۔ تو ایک فرد (اکیلا آدمی) ان برائیوں کو کیسے روک سکتا ہے؟ کیونکہ قبروں پر گنبد اور مساجد بنانا جو شرک کا سب سے بڑا ذریعہ اور دین اسلام کو منہدم

کرنے کا سبب ہے؛ ان سب چیزوں کے بنانے والے اکثر بادشاہ اور امراء تھے جو یہ چیزیں یا تو اپنے قریبی رشتہ دار کی قبر پر بناتے تھے، یا کسی عالم یا پیر فقیر کی قبر پر۔ اور لوگ ان کی زیارت کرتے تھے جیسے ساری قبروں کی زیارت کرتے ہیں نہ تو ان سے کچھ حاجت طلب کرتے تھے نہ ان سے دعا مانگتے تھے۔ بلکہ ان کے لیے دعا کرتے تھے۔ جب یہ لوگ بھی دنیا سے چلے گئے تو ان کے بعد آنے والی نسل نے دیکھا کہ اس قبر پر اتنی بلند عمارت بنی ہوئی ہے، چراغاں کیا گیا ہے، چادریں چڑھائی گئی ہیں، پھول چڑھائے گئے ہیں ان سے خوشبو پھوٹ رہی ہے تو یہ گمان کیا کہ یہ سب کچھ کسی فائدہ کی وجہ سے ہی کیا گیا ہے۔

اس پر مزید یہ کہ وہاں کے مجاور لوگ ان کو اپنی طرف سے گھڑی ہوئی باتیں سناتے ہیں کہ اس میت (صاحب قبر) نے فلاں فلاں کام کیے ہیں۔ کسی کو نفع یا نقصان پہنچایا ہے، تو وہ اس کے مزید معتقد ہو جاتے ہیں اسی وجہ سے احادیث میں قبروں پر چراغاں کرنے، کتبے لگانے اور بڑی بڑی عمارتیں بنانے والے پر لعنت کی گئی ہے، یہ کام خود بھی (فی ذاتہ) ممنوع ہے پھر یہ اور خرابیوں (منکرات) کا باعث بھی بنتے ہیں۔

اعتراض:

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ آپ ﷺ کی قبر پر بھی تو بہت بڑا گنبد بنایا گیا ہے اور اس پر بہت زیادہ مال و دولت خرچ کیے گئے ہیں؟

جواب: یہ اعتراض تو اصل میں جہالت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اصل بات یہ ہے کہ یہ گنبد نہ تو آپ ﷺ نے بنوایا نہ صحابہ نے، نہ تابعین اور تبع تابعین نے، اور نہ ہی امت میں سے کسی عالم دین؛ یا کسی امام نے یہ کام کیا ہے۔ بلکہ اس کو بنانے والا ایک بادشاہ تھا جس کا نام قلاوون الصالحی تھا اور بادشاہ منصور کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے اس گنبد کو ۶۷۸ھ میں بنوایا۔ یہ حکومت سے متعلق سیاسی چیز ہے کوئی شرعی دلیل نہیں جس کا اتباع کیا جائے۔

ہندوستان کے علامہ نواب صدیق حسن خان قنوجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''ہر زمانے میں اور ہر جگہ علمائے دین لوگوں کو خالص دین توحید کی طرف بلاتے رہتے ہیں اور ہر قسم کے شرک سے روکتے رہتے ہیں لیکن جب شرک چیونٹی کے رینگنے کی آواز سے بھی زیادہ مخفی ہے (باریک ہے) (جیسا کہ آپ علیہ السلام نے آگاہ فرمایا ہے) تو بہت سے علماء سے مخفی ہو گیا اور اسی کم علمی کی وجہ سے لوگ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ اور یہ کم علمی ''فحول'' کی مصنفات اور بہت سے شعراء کی شاعری میں بھی پائی جاتی ہے۔ خاص کر وہ شعراء جنہوں نے آپ علیہ السلام اور صحابہ کرام کی شان میں قصیدے کہے ہیں۔ کیونکہ کہیں کہیں ان لوگوں سے ایسی باتیں صادر ہو گئی ہیں جس کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل میں ڈر لگتا ہے کہ اللہ کا غضب نہ نازل ہو جائے پڑھنے والے پر۔ لکھنے والے کا تو کیا ہی کہنا! اور اس کا سبب یہی کم علمی اور غفلت ہے جو مختلف اوقات میں ان کے احوال اور اقوال سے ظاہر ہوتی ہے۔ جو اِن فتنوں کے وجود کا سب سے پختہ سبب ہے اور چند اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

قبروں کو پختہ بنانا، ان پر گنبد بنانا، شاندار چادروں سے ان کی آرائش کرنا، ان پر چراغاں کرنا، ان کی زیارت کے لیے جمع ہونا، عاجزی کا اخیر کرنا، مردوں سے حاجتیں طلب کرنا، اپنے دل سے ان سے دعا مانگنا''۔

جب یہ سلسلہ پیچھے سے چلتا ہوا آ رہا ہے اور پچھلوں نے اگلوں کی پیروی کی تو اس معاملہ کا شر اور خطرہ اور بڑھ گیا، ہر ملک؛ ہر کونے؛ ہر شہر بلکہ ہر گاؤں اور ہر معاشرہ میں عام ہو گیا۔ ہر جگہ ایسے کچھ فوت شدگان موجود ہوتے ہیں جن کے بارے میں زندہ لوگ عجیب اعتقاد رکھتے ہیں ان کی قبروں پر مجاور بن کر بیٹھ رہتے ہیں۔ اور یہ کام شرک میں مبتلا لوگوں کے نزدیک ایک مانوس کام ہے۔ ایک ایسا کام ہے جسے ان کی عقلیں تسلیم کرتی ہیں، ان کے

دل اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور یہ لوگ اس پر دلی طور پر خوش ہوتے ہیں؛ اوران کی سوچ وفکر میں یہ سب کچھ بہت اچھا ہے۔ جب ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا اور سمجھ بوجھ کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس کے کانوں میں انہی قبروں والوں کے نام؛ان کی عبادت؛ ان کی زیارت کرنا، ان پر مجاور بنے رہنے کی آواز گونجتی ہے۔ اور دیکھتا ہے کہ جب ان میں سے کسی ایک کا پاؤں بھی پھسل جاتا ہے تو وہ انہی مُردوں کو ہی پکارتا ہے۔ اور اگر کوئی بیمار ہو جائے تو اس کے گھر والے شفا حاصل کرنے کے لیے اس درگاہ والے میت کے لیے اپنے مالوں میں سے کچھ حصہ وقف کر دیتے ہیں۔ اور کسی ضرورت کے وقت ان ہی قبروں والوں کے وسیلے سے دعائیں مانگتے ہیں ۔ اور ان قبروں کے مجاوروں اور گدی نشینوں کو (جو لوگوں کے مال کو مختلف حیلوں سے کھاتے ہیں) نذرانہ پیش کرتے ہیں تا کہ وہ ان کی مراد پوری کر دیں۔

اس کے بعد جب وہ بچہ بڑا ہوتا ہے تو اس کے دل میں یہ سب کچھ جو اس نے دیکھا اور سنا ہوتا ہے ایسا راسخ ہو جاتا ہے جیسے پتھر پر لکیر۔ کیونکہ بچے کی فطرت ہر چیز سے اثر لینے میں بہت مضبوط ہوتی ہے اور جب وہ اپنے والدین کے ہاں سے باہر کے ماحول میں نکلتا ہے تو اکثر لوگوں کو وہی کرتا ہوا پاتا ہے جو اس کے والدین کرتے ہیں۔ اور اکثر اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ بچہ اپنے گھر کے بعد جو پہلی جگہ دیکھتا ہے اور وہاں جاتا ہے وہ ان ہی قبروں میں سے کوئی قبر ہوتی ہے اور وہاں پر لوگوں کا ازدہام اور اجتماع، چیخنا چلانا، دعا مانگنا دیکھتا ہے تو اس کا اپنے والدین اور دوسرے بڑی عمر کے لوگوں سے حاصل کیا ہوا اعتقاد اور مضبوط ہو جاتا ہے اور خاص طور پر جب دیکھتا ہے کہ قبروں پر بلند و بالا اور عالیشان عمارتیں بنی ہوئی ہیں، اس کی دیواریں رنگ و روغن سے مزین ہیں ان پر شاندار پردے لٹکے ہوئے ہیں، قبروں سے خوشبوئیں پھوٹ رہی ہیں، ہر طرف چراغاں ہے اور خدمت گار مجاور اور گدی نشین سجادے (جو مختلف حیلوں سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں) ان چیزوں کی حد درجہ تعظیم کرتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں میں بھی ان کی ہیبت بٹھاتے ہیں اور آنے والی زائرین کو ہاتھ پکڑ کر نہایت عاجزی اور تعظیم سے قبروں تک پہنچاتے ہیں اور ذرا سی بھی بے ادبی پر زجر و توبیخ کرتے ہیں تو اس

بیچارے بچے کا یقین اور پختہ ہو جاتا ہے اور یہ غلط عقائد اس کے دل میں اس طرح راسخ ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور لطف وکرم کے بغیر ان کا ختم ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔

اور جب اس ماحول میں بڑھنے والا بچہ علم حاصل کرنے لگتا ہے تو اپنے فرقے کے اکثر علماء کو اس صاحب قبر کا معتقد پاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ یہ علماء اس کی حد درجہ تعظیم کرتے ہیں ان کی محبت کو اللہ کے ہاں اعمال مقبولہ میں شمار کرتے ہیں اور جو اس کے امر کی مخالفت کرے اس پر طعن وتشنیع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص اولیاء کا معتقد اور صلحاء کا محب نہیں ہے۔ تو ظاہری سی بات ہے کہ اس طالب علم کی محبت ان صاحب قبر سے اور بڑھ جائے گی اور اس کا ان کے بارے میں اعتقاد اور راسخ ہو جائے گا۔

یہ بہت بڑی بدعت اور عظیم فتنہ۔ یعنی مُردوں سے نفع ونقصان کا عقیدہ۔ جو مشرق ومغرب میں پھیل گیا ہے اور اکثر لوگ اس میں مبتلا ہو گئے ہیں؛ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اس نے ایمان کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے اور اسلام کو کمزور کر دیا ہے۔ قبروں کو بلند و بالا بنانا، ان پر گنبد بنانا، آنے والے زائرین کو مختلف وسائل سے مرعوب کرنا، یہ تمام امور جن کا پیچھے ذکر ہو چکا ہے ان عقائد کی بنیاد ہیں اور کوئی عقلمند اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ یہ ہی امور اس عظیم فتنے میں مبتلا ہونے کے اسباب ہیں۔

جسے اس بات میں شک ہو اور اس کی عقل اس بات کو تسلیم نہ کرتی ہو تو اسے چاہیے کہ اس کی تحقیق کرے۔ سب سے اقرب تو یہ ہے کہ عوام سے ہی ان اعتقادات کے سبب کے بارے میں پوچھ لے تو اکثر لوگ یہی بتائیں گے جو میں نے ذکر کیا۔

علامہ قنوجی رحمہ اللہ نے آخر میں اپنی بات کا خلاصہ یہ بیان کیا ہے کہ: ہم پر واجب ہے کہ متقدمین کی تصنیفات اور ان کے اشعار، خطبے اور خطوط پر وہ حکم لگائیں جو ان کا حق بنتا ہے اور ان میں جو کچھ ہے اسے لوگوں پر واضح کر دیں اور اس پر عمل کرنے سے انہیں روک دے اور ان کے مصنفین کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دے ساتھ ساتھ ان کے بارے میں ایسی تاویلیں کر دے جو عقل کے خلاف نہ ہو اللہ نے اس زیادہ کا ہمیں مکلف نہیں بنایا ہے"۔

اگر قاری صاحب ان سب باتوں میں جس کا ذکر چکا غور و فکر کرے تو اس کو آپ ﷺ کی اس امر کے بارے میں وصیت اور غایت اہتمام کی حکمت کا اندازہ ہو جائے گا۔ اسی مسئلہ کے بارے میں آٹھویں صدی (ہجری) کے ایک عالم نے بھی یہ فرمایا ہے کہ:

"شیطان کا سب سے بڑا مکر و فریب جس کے ذریعے سے وہ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے اور اس کے فتنے سے سوائے جسے اللہ چاہے کوئی نہیں بچ سکتا؛ وہ یہ ہے کہ اپنے چیلوں کو زمانہ قدیم میں اور آج بھی تلقین کرنا، یعنی قبروں کے ذریعے سے فتنہ میں مبتلا کرنا؛ حتی کہ ان قبروں والوں کی عبادت کی جانے لگی، ان کی قبروں کی پوجا کی جانے لگی، مُردوں کی تصویریں بنائی گئیں، پھر ان کی مورتیاں بنائی گئیں پھر ان کو سایہ فراہم کیا گیا، پھر ان کی عبادت شروع ہو گئی یہ بیماری سب سے پہلے قوم حضرت نوح علیہ السلام میں پھیلی تھی۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ○ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ○ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ○ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا﴾

(نوح: ٢١-٢٤)

"نوح علیہ السلام نے فرمایا: میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی؛ اور ایسوں کے تابع ہوئے ہیں جو ان کے مال و اولاد میں نقصان کے سوا کچھ فائدہ نہیں دے سکے؛ اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا، انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے تو ان کو گمراہ کر دے۔"

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: محمد بن قیس رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ:

"یغوث اور یعوق اور نسر اللہ کے نیکوکار بندے تھے اور ان کے کچھ پیروکار تھے جب ان اصحاب کا انتقال ہو گیا ان کے پیروکار آپس میں کہنے لگے اگر ہم ان کی

تصویریں بنا رکھ لیں تو انہیں دیکھ کر عبادت کا شوق پیدا ہوگا پس تصویریں بنا لی گئیں جب ان لوگوں کا بھی انتقال ہوگیا اور دوسری نسل آئی تو شیطان ان کے پاس انسان کی صورت میں آیا اور کہا یہ لوگ ان تصویروں کی عبادت کیا کرتے تھے اسی کے ذریعے ان پر بارش برسائی جاتی تھی پس ان لوگوں نے بھی عبادت شروع کردی"۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"شریعت میں قبروں کو بلند اور پختہ بنانے ان پر چراغاں کرنے سے منع کیا گیا ہے اس میں حکمت ہے اس کے بارے میں غور و تدبر کیجیے! مجھے بہت تعجب ہوتا ہے کہ اس امت نے اس بارہ میں اپنے نبی علیہ السلام کی ممانعت کو بھی قبول نہیں کیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے اس بارے میں اتنی وعیدیں بیان فرمائی ہیں، اور تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ حتی کہ مرض الموت میں بھی ارشاد فرمایا:

"اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا ہے لیکن پھر یہ شر و فتنہ، مشرق و مغرب، شہر و گاؤں ہر جگہ پھیل گیا۔ (اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ)"۔

علامہ قنوجی؛ علامہ شوکانی؛ امام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ ان سب جلیل القدر علماء نے وہ نتائج بیان فرمائے ہیں جو آپ علیہ السلام کی وصیت (قبروں کو بلند نہ کرنا اور ان کو عبادت گاہ نہ بنانا) کی مخالفت کرنے سے سامنے آتے ہیں۔ حقیقتاً یہی معاملہ ہے؛ اسی مخالفت کی وجہ سے اکثر جاہل مسلمان لاعلمی میں شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور ان سب سے خطرناک اور ہر طرف پھیلی ہوئی عام مرض تو یہ ہے کہ جو کچھ ان صالحین کی قبروں کے پاس دیکھنے میں آتا ہے۔ اور عوام الناس تو ان نیکوکار بندوں سے نفع پانے اور ضرر دور ہونے کی دعائیں مانگتے ہیں۔

حالانکہ قرآن پاک میں غور و تدبر کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اکثر آیات مبارکہ میں خالص اللہ ہی سے دعا مانگنے کو توحید سے تعبیر کیا گیا ہے اور غیر اللہ سے دعا مانگنا شرک بتایا گیا

ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُو رَبِّي وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا﴾ (الجن: ۲۰)

"کہہ دیجیے بے شک میں اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ (العنكبوت: ٦٥)

"پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خدا کو پکارتے ہیں اور خالص اسی کی عبادت کرتے ہیں لیکن جب وہ نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو جھٹ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾ (غافر: ٦٠)

"اور فرمایا تمہارے پروردگار نے مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا بے شک جو لوگ میری عبادت سے اعراض کرتے ہیں عنقریب وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔"

اور بعض مفسرین نے لفظ "عِبَادَتِيْ" کی تفسیر "دُعَائِيْ" یعنی میرے سے دعا مانگنے سے کی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا﴾ (الاسراء: ٥٦-٥٧)

”کہو کہ (مشرکو) جن لوگوں کی نسبت تمہیں (معبود ہونے کا) گمان ہے ان کو بلا کر دیکھو۔ وہ تم سے تکلیف کو دور کرنے یا اس کے بدل دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ یہ لوگ جن کو (خدا کے سوا) پکارتے ہیں وہ خود اپنے پروردگار کے ہاں ذریعہ تقریب تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون ان میں (خدا کا) زیادہ مقرب (ہوتا) ہے اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں بے شک تمہارے پروردگار کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔“

جن سے یہ لوگ دعا مانگتے ہیں ان سے مقصود ملائکہ، حضرت مسیح علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام ہیں جن سے مشرکین دعا مانگتے تھے اور اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○﴾ (یونس: ۱۰۶-۱۰۷)

”اور خدا کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارو جو نہ تمہارا کچھ بھلا کر سکے اور نہ کچھ بگاڑ سکے اگر ایسا کرو گے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے اور اگر خدا تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں (اور اگر تم سے بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں) وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فائدہ پہنچاتا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ عَلَیْهِ یَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○﴾ (الزمر: ۳۸)

”کہو کہ بھلا دیکھو تو جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو اگر خدا مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا

چاہے تو کیا وہ اس تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اگر مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو وہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ کہہ دو کہ مجھے خدا ہی کافی ہے۔ بھروسہ رکھنے والے اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔‘‘

حدیث شریف میں ارشاد ہے: ’’دعا مانگنا عبادت ہے۔‘‘[ابو داؤد؛ نسائی/ صحیح]

دوسری روایت میں ہے کہ ’’دعا عبادت کا مغز ہے۔‘‘[ترمذي / غریب]

دعا کا توحید و شرک سے اس طرح تعلق ظاہر ہوتا ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے نفع حاصل کرنے یا ضرر دور ہونے کی تو اسے پتا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سن رہا ہے اس کے حالات کو جانتا ہے اس کی دعا کو قبول کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسی وقت کسی اور کی دعا بھی سن رہا ہوتا ہے اس کے حالات کو بھی جانتا ہے مانگنے والے کتنے ہی کیوں نہ ہوں، ان کی زبانیں مختلف ہوں، حاجتیں الگ الگ ہوں اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہوتا ہے۔

جب انسان یہ دعا اللہ کے غیر سے مانگتا ہے جیسے نصاریٰ مسیح اور مریم علیہما السلام سے مانگتے ہیں۔ اسی طرح بعض جاہل (ناسمجھ) مسلمان مردوں سے نفع پانے اور نقصان دور ہونے کی دعا مانگتے ہیں؛ تو وہ ایک قسم کی عبادت غیر اللہ کے لیے بجا لاتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اس اعتقاد کے ساتھ دعا مانگتے ہیں کہ جس سے دعا مانگی جارہی ہے وہ ان کی دعا سن رہا ہے ان کے دل میں جو کچھ ہے اس کے بارے میں اسے معلوم ہے اور اسی طرح یہ اور لوگوں کی دعا بھی سن رہا ہوتا ہے ان کے حالات دل کے بارے میں اس کو معلوم ہوتا ہے چاہے مانگنے والے کتنے ہی کیوں نہ ہوں، ان کی زبانیں مختلف ہوں، حاجتیں الگ الگ ہوں، دور دور رہتے ہوں۔

یہ نصاریٰ اور ناسمجھ مسلمان اسی اعتقاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی خصوصیات کو مخلوق کی طرف پھیر دیتے ہیں، خالق کی عبادت کی ایک قسم (دعا) کو مخلوق کے لیے بجا لاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب امور اللہ تعالیٰ کی توحید کے منافی ہیں۔ نصاری اور ان ناسمجھ مسلمانوں کو ان کا یہ عذر کچھ کام نہ دے گا کہ یہ لوگ یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ مسیح اور مریم علیہما السلام یا نیکوکار

بندے، نفع ونقصان پہنچانے پر قادر ہیں۔

بلکہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسیلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں صراحت کے ساتھ اس عذر کو رد کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (الزمر: ۳)

''اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور دوست بنائے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بتایا ہے کہ جن سے یہ لوگ دعا مانگتے ہیں وہ لوگ خود اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے تھے اور اس کی رحمت کے امیدوار تھے، اس کے عذاب سے ڈرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۚ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝﴾ (الاسراء: ٥٦-٥٧)

''فرمادیجیے: جن کی نسبت تمہیں (معبود ہونے کا) گمان ہے ان کو پکار کر دیکھو۔ وہ تم سے تکلیف کو دور کرنے یا اس کے بدل دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے ہاں ذریعہ قربت تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون ان میں (اللہ کا) زیادہ مقرب ہے اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں بے شک تمہارے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بتایا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں نصاریٰ اور مشرکین عرب، حضرت مسیح و مریم علیہما السلام فرشتوں اور بتوں کے وسیلے سے دعا مانگتے تھے اور یہ گمان رکھتے تھے ہم

لوگ اس کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں اور یہ لوگ ہماری اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں گے، ان سے صرف خوشی کی حالت میں دعا مانگتے تھے، مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ ہی سے دعا مانگتے تھے اور مخلوقات میں سے کسی کو اس میں شریک نہیں کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾ (العنكبوت : ٦٥)

''پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خدا کو پکارتے ہیں اور خالص اسی کی عبادت کرتے ہیں لیکن جب وہ نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو جھٹ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حَتَّىٰ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (يونس : ٢٢)

''حتی کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور کشتیاں پاکیزہ ہوا (کے نرم نرم جھونکوں) سے سواروں کو لے کر چلنے لگتی ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں تو ناگہاں زناٹے کی ہوا چلتی ہے اور لہریں ہر طرف سے ان پر آنے لگتی ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ اب تو لہروں میں گھر گئے تو اس وقت خالص اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔''

اب تو اور افسوس ہوتا ہے کہ آج کل یہ جاہل، ناسمجھ مسلمان قبروں اور نیکوکار بندوں سے خوشی اور غمی دونوں حالتوں میں دعا مانگتے ہیں۔ اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں تو مشرکین اقرار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے نفع و نقصان کا مالک ہے تمام امور کا چلانے والا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ﴾ (یونس : ۳۱)

''پوچھیں: تم کو آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جان دار کون پیدا کرتا ہے اور جاندار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ: اللہ تعالیٰ۔''

اور اب تو یہ ناسمجھ مسلمان، اصحاب قبور، نیکوکار بندوں، ابدال اور اقطاب کی طرف نفع و نقصان کی نسب کرتے ہیں ؛ اور کہتے ہیں کہ: یہ لوگ رزق دیتے ہیں، تمام امور کو چلانے والے ہیں غیب کا علم رکھتے ہیں بلکہ یہ گمراہ کن عقائد ان کے علماء (سوء) کی کتابوں میں بھی موجود ہیں خاص کر ان کتابوں میں جو کرامات اولیاء پر مشتمل ہیں۔

آپ ﷺ افضل البشر اور نبیوں کے سردار ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ ﴿قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا٥﴾ (الجن : ۲۱)

''فرما دیجیے: میں تمہارے حق میں نقصان اور نفع کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔''

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ٥﴾ (الاعراف : ۱۸۸)

''فرما دیجیے: میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتا، مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں تو مومنوں کو ڈر اور خوش خبری سنانے والا ہوں۔''

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ (الانعام: ٥٠)

''کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا ہے کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ (یہ کہ) میں غیب جانتا ہوں۔''

ان ناسمجھ جاہل مسلمانوں کا ان فتنوں میں مبتلا ہونے کے چند اسباب ہیں:

(۱) نام ونہاد علماء کی غفلت

(۲) بغیر سوچے سمجھے آباء واجداد کی تقلید، رسم ورواج کی اتباع، عادات کا پختہ ہو جانا

(۳) کتابوں کے مولفین کے ساتھ حسن ظن اور جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس پر سر تسلیم خم کرنا۔

قرآن وسنت پر پیش کیے بغیر عوام الناس کا عذر تو لاعلمی ہے؛ لیکن ان علم والوں کا کیا عذر ہوگا [جو توحید وسنت سے آگاہ ہوکر بھی شرک کا ارتکاب کرتے ہیں]؟ عوام میں یہ شرکیہ عادات اتنی پختہ ہو چکی ہیں کہ اب اس کا احساس بھی کسی کو نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے آپ کو بہت کم ایسی اسلامی جماعتیں ملیں گی جو کہ اس چیز (یعنی خالص دعوت توحید اور رد شرک) کی طرف متوجہ ہوں باوجود اس کے کہ یہ اسلام کی بنیاد اور رکن اساسی ہے۔ فَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ.

اب واضح ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کا قبروں پر گنبد بنانے سے منع کرنے، ان کو ہموار کرنے کا حکم دینے، انہیں عبادت گاہ بنانے سے روکنے میں کیا حکمت پوشیدہ ہے۔ کیونکہ انہی امور کی وجہ سے اصحاب قبور کی عبادت کا فتنہ وقوع پذیر ہوا اور لوگ اسی وجہ سے ایسی چیزوں میں مبتلا ہو گئے جو خالص عقیدہ توحید کے منافی ہیں۔

شرک کی بعض صورتیں:

شرک کی متعدد صورتیں ہیں اور اپنے آپ کا خیر خواہ ان تمام صورتوں سے دور بھاگتا ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ اکثر مسلمانوں کو تو یہ ہی نہیں پتا کہ کیا چیز شرک ہے اور کیا چیز

شرک نہیں ہے۔

شرک کی چند صورتیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ نیک اولیاء وصالحین (خواہ زندہ ہوں یا انتقال کر گئے ہوں) کے لیے جانور ذبح کرنا۔

۲۔ ان کے نام کی نذر و نیاز ماننا۔

۳۔ انہیں مشکلات دور کرنے اور حاجتیں پوری کرنے کے لیے پکارنا۔

۴۔ انہیں اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان وسیلہ ماننا۔

۵۔ ان کی قبروں پر مزارات بنا کر ان کی تعظیم و تکریم کرنا اور وہاں عرس منانا۔

۶۔ ان سے امیدیں رکھنا اور ان سے ڈرنا۔

تنبیہ:

اس فصل میں ان چند اسباب کی وجہ سے بحث طویل ہو گئی ہے:

پہلا سبب:...... شرک کا خطرہ، کہ شرک، توحید جو دین اسلام کی بنیاد ہے کو منہدم کر دیتا ہے اور مسلمان کے عمل کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود کر دیتا ہے۔ واجب یہ ہوتا ہے کہ ہر اس عمل سے بچنا چاہیے جو شرک تک رسائی کا ذریعہ بنتا ہو۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ شرک کا سب سے بڑا ذریعہ اولیاء وصالحین کی تعظیم و تکریم میں مبالغہ/غلو کرنا، اور ان کی قبروں کو عبادت گاہ بنانا، وہاں پر مزارات بنا کر وہاں میلے لگانا اور عرس منانا ان قبروں کی تعظیم کرنا، ان کو پختہ اور بلند بنانا اور ان پر گنبد بنانا ہے۔

دوسرا سبب:...... رسول اللہ ﷺ نے شرک کے ان ذرائع اور وسائل سے روکنے کے بارے میں سخت شدید حرص اور اہتمام، آپ ﷺ نے قبروں کو عبادت گاہ بنانے سے اپنے آخری ایام میں بھی [بلکہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی] منع فرمایا تھا۔ اور اپنے انتقال سے پانچ رات پہلے بھی تاکیدی طور پر اس سے منع فرمایا تھا۔ اور پھر آخری چند لمحات میں بھی دوبارہ منع فرمایا۔ اور اسی طرح قبروں کو پختہ بنانے، ان پر گنبد بنانے سے منع فرمایا اور بلند و بالا قبروں کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔

تیسرا سبب:...... اس عظیم فتنے کا عالم اسلام میں پھیل جانا، حتی کہ ہر اسلام ملک میں یہ وبا پھیل گئی ہے۔ شاذ ونادر ہی کوئی ملک ہوگا جو اس فتنے سے خالی ہو۔

چوتھا سبب:...... بہت سے مصلحین حضرات کی اس سلسلہ میں غفلت؛ اور اس امر کی اصلاح کا اہتمام نہ کرنا؛ حالانکہ یہ ان کا اوّلین فریضہ ہے۔ مسلمانوں میں اس امر کے عام ہونے اور پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ سلطنت فاطمیہ (جوکہ مصر میں تھی) کے زمانہ میں اس کام کا آغاز ہوا اور پھر یہ پھیلتا ہی چلا گیا۔ اشیاء کی طبیعت یہ ہوتی ہے کہ ان کا پھیل جانا ان کی تقویت کی بنیاد بن جاتا ہے اور پھر مزید پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح وہ ناپاک کڑی وجود میں آ جاتی ہے جو کہ ہر منکر کو معروف اور معروف کو منکر بنا دیتی ہے اور اس کے نتیجے میں ان مصلحین کی آوازیں اور دعوت دین کی محنت ضائع ہو جاتی ہے جو کہ وقتاً فوقتاً اور جگہ جگہ تسلسل کے ساتھ اس کام میں اپنی کاوشیں صرف کرتے چلے آتے ہیں اور لوگوں کو اس وباء اور بلاء سے ڈراتے رہتے ہیں جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام یہ کام انجام دیا کرتے تھے۔

دوسری تنبیہ:

کسی عمل کو شرک یا کفر کہنے سے یہ ضروری نہیں کہ اس کا مرتکب اسلام سے خارج ہو، یا اس کے ساتھ بالکل مشرکین اور کفار والا معاملہ ہی کیا جائے۔ کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ جو جاہل مسلمان شرکیہ اعمال کا ارتکاب کر چکے ہیں اگر نہیں کفر اور قتل کے درمیان اختیار دے دیا جائے تو وہ کفر پر اپنی جان دینے کو ترجیح دیں گے، بلکہ ان کا قرآن پر ایمان اور اللہ تعالیٰ و رسول سے محبت کسی بھی موحد مسلمان سے کم نہیں ہوتی۔

لیکن ان کے یہ اعمال شرکیہ اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ ان کو ان اعمال کے حکم کا علم نہیں اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ یہ اعمال توحید کے منافی ہیں۔ لہٰذا جاہل کو سمجھانا اور غافل کو جگانا فرض ہے۔ اصلی اور بڑا خطرہ ان لوگوں کا ہے جو اس کا علم رکھتے ہیں اور قرآن وسنت کے اس سلسلے میں وارد نصوص سے آگاہ ہیں، مگر وہ اس کا حکم لوگوں کو نہیں بتاتے۔ قرآن کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝﴾ (البقرۃ: ۱۵۹-۱۶۰)

"بلاشبہ وہ لوگ جو ہماری اتاری ہوئی دلیلیں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں بعد اس کے ہم نے ان کو کتاب میں لوگوں کے لیے واضح کیا ہے، ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ اور لعنت بھیجنے والی مخلوق لعنت بھیجتی ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو کہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں اور حق کو بیان کر لیں تو ان پر میں رحم کروں گا، اور میں توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں۔"

یہ آیت اس لائق ہے کہ اس کی وجہ سے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، دل لرز جائیں اور ایک عالم پر یہ حقیقت اچھی طرح آشکارا ہو جاتی ہے کہ اس کا آخری انجام موت، بعث بعد الموت اور حساب ہے تو وہ ڈر جائے کہ کہیں اس قول الٰہی کی وعید میں وہ نہ آ جائے۔

واللہ المستعان۔

بارہویں وصیت:

بدعت اور نئی ایجادات کے خطرہ پر تنبیہ

امام احمد ابو داود اور ترمذی رحمہم اللہ نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

''ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز فجر ادا کی پھر اس کے بعد آپ نے ہم میں ایک انتہائی موثر وعظ فرمایا کہ اس سے دل لرز گئے اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں''۔

ہم نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! (ایسا لگ رہا ہے کہ یہ) آپ کا آخری وعظ ہے (اور اس کے بعد ہم آپ کا وعظ نہ سن سکیں گے) تو آپ ہمیں وصیت فرما دیجیے!''۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے خوف اور (امیر کی بات) سننے اور ماننے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ تم پر ایک حبشی (بے حیثیت) امیر ہی کیوں نہ بنا دیا جائے۔ پس تم میں سے جو (میرے بعد کا) زمانہ دیکھے گا اور (اس میں) زندہ رہے گا تو اسے بہت سے اختلافات دیکھنے کو ملیں گے، لہٰذا تم پر (اس وقت) میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کا التزام واجب ہوگا، اسے مضبوطی سے تھام لینا اور دین میں نئی باتیں ایجاد کرنے سے بچو، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے''۔ (قال الترمذی: حدیث حسن صحیح)

تمہید:

شرع حنیف کی ہر نو وارد اجنبی چیز سے حفاظت ایک ایسی ذمہ داری ہے جو اس امت کے ہر فرد کے کاندھے پر عائد ہوتی ہے۔ خصوصاً اس امت کے علماء، اصحاب رائے اور

ارباب حل وعقد پر۔ یہ سب اس صحیح عقیدے کے وجود کی حفاظت کے لیے ہے جو کہ اسلام کو ایک محفوظ قلعہ فراہم کرتا ہے۔

بلاشبہ شریعت اسلامیہ، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر اعتماد؛ اور ان سے دین کا حصول تن تنہا دین کے تحفظ، استحکام اور بقاء کی ضمانت ہے۔ اور آپ ﷺ نے دین اسلام کا وجود مختلف پہلوؤں سمیت مکمل ہونے پر ہی اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدة : ۳)

”آج میں نے مکمل کر دیا تمہارے لیے تمہارا دین اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کر لیا۔“

لہٰذا دین مکمل اور تمام ہونے کے بعد کسی بھی قسم کی زیادتی، نقصان یا تبدیلی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اور جس نے اس کی کوشش کی تو وہ بدعتی، افتراء پرداز اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی کرنے والا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (الحجرات : ۱)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے پیش رو پیش قدمی مت کرو۔“

بلاشبہ دین میں کوئی نئی بات ایجاد کرنا اسلام کی سر بفلک عمارت کو ڈھانے میں تخریب کار کدال کا کردار ادا کرتا ہے اور امت مسلمہ کی وحدت کو اختلاف و افتراق اور پھر دشمنی، بغض اور باہم برسرِ پیکار کرنے کی دھمکی دینے میں خطرناک ترین ذریعہ ثابت ہوا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے دین میں نئی ایجادات اور بدعات سے اجتناب کی پر زور اور تاکیدی وصیت فرمائی ہے۔ بدعت کا شمار کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے اور یہ گناہ سراسر گمراہی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی صفت بیان کی ہے کہ:

”اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔“

(اخرجه النسائي و ابن خزيمه في صحيحه)

بدعت کے معانی:

مسلمانوں میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ شریعت میں بدعت قابل قبول یا شارع کی طرف سے مستحسن ہے۔ مگر اس کے باوجود مسلمانوں کے اندر بدعات پھیلی ہوئی ہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ لوگ دوسرے لوگوں کے یہاں رائج بدعات پر تورد کرتے ہیں، البتہ جو بدعات خود ان کے ہاں رائج ہیں اور انہوں نے اپنے آباء و اجداد کو ان پر پابند دیکھا ہے تو ان کو وہ لوگ بدعات سمجھتے ہی نہیں۔ اور اکثر اوقات ایسا بدعت کے واضح مفہوم پر عدم اتفاق کی بنا پر ہوتا ہے اور شاید کہ بدعت کی جامع ترین تعریف وہ ہے جو شافعی رحمہ اللہ نے کی ہے:

"بدعت دین میں ایسا نو ایجاد اور من گھڑت راستہ ہے جو شریعت کے مقابلہ میں ہو؛ اور اس پر چلنے کا بھی وہی مقصد ہو جو شرعی طریقے پر چلنے کا ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا"۔

اور شاید کہ یہ بدعت کا واضح ترین قاعدہ کلیہ ہو کہ:

"بدعت ہر وہ عمل ہے جس کے ذریعے سے انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہے؛ حالانکہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اس عمل کو کرنے کا سبب موجود ہونے اور اس سے کوئی مانع اور رکاوٹ نہ ہونے کے باوجود نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ نے اسے نہ کیا ہو"۔

بدعت کے ارتقاء اور نشو و نما کے اسباب:

پہلا سبب:...... یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مبالغہ کرنا اس سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے۔

(۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

آپ ﷺ ایک سفر میں تھے تو آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی کے اردگرد لوگوں کا ہجوم لگا ہے؛ اور وہ اس پر (گرمی کی وجہ سے) سایہ کیے ہوئے ہیں؛

تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟

صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یہ روزے دار ہے"۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔" (متفق علیہ)

(۲) مالک رحمہ اللہ نے موطا میں نقل کیا ہے کہ:

"آپ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ دھوپ میں کھڑا ہوا ہے تو آپ نے دریافت کیا کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟

صحابہ نے عرض کیا: "اس نے منت مانی ہے کہ یہ نہ بات کرے گا اور نہ ہی دھوپ سے بچاؤ کے لیے سایہ لے گا اور نہ ہی بیٹھے گا اور اسی حالت میں روزہ رکھے گا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اس سے کہہ دو کہ یہ بات بھی کرے اور سایہ بھی لے اور بیٹھے بھی اور اسی طرح اپنا روزہ پورا کرے"۔

(۳) بخاری نے قیس بن ابی حازم سے نقل کیا ہے کہ:

"حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک عورت کے گھر تشریف لے گئے تو اسے دیکھا کہ وہ خاموش ہے کسی سے بات نہیں کر رہی۔ تو آپ نے دریافت کیا کہ اسے کیا ہوا ہے کہ یہ بات نہیں کر رہی؟ لوگوں نے بتایا کہ اس نے خاموش رہنے کا پختہ ارادہ کیا ہے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے فرمایا:

"تم بات کرو، خاموش مت رہو۔ کیونکہ یہ بات ناجائز ہے اور جاہلیت کے کاموں میں سے ہے پھر اس کے بعد اس عورت نے بات کرنا شروع کر دی"۔

(۴) حضرت زبیر بن بکار سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

"حضرت مالک بن انس کے پاس ایک شخص آیا اور ان سے پوچھا: ابوعبداللہ آپ بتائیے کہ میں کہاں سے احرام باندھوں؟

انہوں نے فرمایا: "ذوالحلیفہ سے! جہاں سے آپ ﷺ نے احرام باندھا تھا۔

تو اس شخص نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ مسجد میں روضہ اطہر سے احرام باندھوں۔

تو انہوں نے فرمایا: نہیں! کیونکہ مجھے تم پر فتنہ کا ڈر ہے۔

اس شخص نے کہا کہ بھلا یہ کون سا فتنہ ہے؟ میں تو (این احرام باندھنے والی جگہ میں) چند میلوں کا اضافہ کر رہا ہوں!

تو حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے اس پر فرمایا: ''اس سے بڑھ کر اور کون سا فتنہ ہوسکتا ہے کہ تم یہ سمجھو کہ تم ایک ایسی نیکی کی طرف بڑھ رہے ہو جسے بتانے میں (معاذ اللہ) آپ علیہ السلام نے کوتاہی کر دی ہے/تقصیر یا کمی کر دی ہے؟ میں نے اللہ رب العزت کا یہ ارشاد سن رکھا ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾ (النور: ٦٣)

''پس چاہیے کہ جو لوگ (نبی) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اس بات سے ڈریں کہ انہیں کوئی فتنہ نہ گھیر لے یا انہیں دردناک عذاب پہنچے۔''

(۵) نبی کریم ﷺ نے سلمان فارسی اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا؛ تو ایک روز حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے؛ تو دیکھا کہ (ان کی بیوی) ام الدرداء رضی اللہ عنہا ایک کونے میں علیحدہ بیٹھی ہوئی ہیں۔

انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کو کیا مسئلہ درپیش ہے؟

انہوں نے کہا کہ: تمہارے بھائی ابوالدرداء کو دنیا میں کوئی رغبت اور حاجت نہیں ہے۔

(تھوڑی دیر گزرنے کے بعد) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے؛ اور اپنے بھائی سلمان رضی اللہ عنہ کے لیے کھانے کا بندوبست کیا؛ اور کھانا ان کے سامنے پیش کیا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: تم بھی ساتھ کھاؤ''۔

اس پر انہوں نے فرمایا: میں روزے دار ہوں۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب تک تم کھانا نہیں کھاتے میں بھی نہیں کھاؤں گا۔

فرماتے ہیں: اس پر انہوں نے کھانا کھا لیا پھر جب رات ہوئی تو حضرت ابوالدرداء

رضی اللہ عنہ قیام اللیل کے لیے نماز میں کھڑے ہو گئے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابھی سو جاؤ تو وہ (ان کے کہنے پر) سو گئے"۔

پھر تھوڑی دیر بعد نماز کے لیے اٹھے تو انہوں نے دوبارہ کہا کہ ابھی سو جاؤ۔ پھر جب رات کا آخری پہر شروع ہوا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ پھر ان دونوں حضرات نے نماز شروع کر دی۔ (اس کے بعد) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری اپنی ذات کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے اہل وعیال کا بھی تم پر حق ہے۔ لہٰذا ہر ذی حق کو اس کا حق دو"۔

پھر اس کے بعد حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اس بات کا تذکرہ کیا تو اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"سلمان نے سچ کہا"۔ (اخرجه البخاری)

دوسرا سبب:......خواہش پرستی:

بلاشبہ شہرت کی رغبت انسانی زندگی پر بہت گہرے اثرات مرتب کرتی ہے اور جب یہ رغبت وخواہش شرعی حدود وقیود سے باہر نکل جائے اور اسے یونہی بڑھتا چڑھتا چھوڑ دیا جائے حتیٰ کہ یہ انسان دل ودماغ پر مسلط ہو جائے اور اس کے عمومی کردار کے نقش میں متداخل ہو جائے تو وہ اپنے آخری دور میں ہوتی ہے اور کسی بھی وقت بدعت ایجاد کرنے یا اس پر عمل کرنے کی وجہ سے انسان کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ کر دیتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ﴾ (قصص: ٥٠)

"اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرے"۔

ایک اور مقام پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ (ص: ٢٦)

''اور خواہش پرستی مت کرو تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ کر دے گی، بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ ہو جاتے ہیں ان کے لیے انتہائی سخت عذاب ہے؛ کیونکہ انہوں نے حساب کا دن بھلا دیا۔''

تیسرا سبب:...... غیر معصوم کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا۔

بدعت کے ارتقاء اور نشو ونماء کے اسباب میں سے ایک سبب کسی بھی ہے کہ غیر معصوم انسان کے آگے سر تسلیم خم کیا جائے ؛ اور اس پر رضا مندی ظاہر کی جائے اور اس کے اقوال اور اعمال کو احکام پر دلیل بنانا ہے۔ کیونکہ غیر معصوم انسان راہ صواب پر بھی ہوتا ہے اور کبھی غلط بھی کر جاتا ہے۔ اور اگر وہ ان لوگوں میں ہو جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے یعنی کسی غلط کام پر اس کی سزا کا خوف نہیں رکھتے تو وہ یقیناً کبھی جھوٹ بھی بولتا ہوں گا اور اس طرح اس کے قول اور اس کی اتباع پر رضا مندی وتسلیم، دین سے انحراف اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر جھوٹ گھڑنے اور بدعتیں ایجاد کرنے کا سبب ہوتا ہے۔

بلاشبہ نبی کریم ﷺ خاتم الانبیاء اور ان کی کتاب قرآن کریم سب سے آخری کتاب ہے اور ان کی شریعت تمام شریعتوں کا خاتمہ اور خلاصہ ہے، لہٰذا ان کے حکم کردہ حکم کے علاوہ کوئی حکم نہ چلے گا اور ان کی جاری کردہ سنت کے علاوہ کوئی سنت اور طریقہ نہیں ہو گا اور اس دائرہ حد سے نکلنا ہی دین بدعت نکالنے والوں کے لیے راستہ ہموار کرتا ہے۔

چوتھا سبب:...... غیر صحیح (موضوع) احادیث کا سہارا لینا۔

اہل علم کا کہنا ہے کہ اہل بدعت کا سہارا ضعیف احادیث ہیں بلکہ موضوع (جھوٹی) احادیث بھی! حالانکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

''جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولتا ہے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے''۔ (متفق علیه)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

''جس نے مجھ سے ایسی حدیث نقل کی جسے وہ جھوٹ سمجھتا ہو تو وہ مجھ پر جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک ہے''۔ (اخرجه مسلم)

اور جیسے جیسے اس معاملے میں غفلت اور تساہل و لاپرواہی برتی جا رہی ہے ویسے ویسے ہی ہر ایک آدمی سنت سے دور اور بدعت کے قریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے/ بدعت کے چنگل میں پھنستا چلا جا رہا ہے۔

بدعت کی بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ میں تقسیم:

بعض علماء کے کلام میں بدعت کی بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ میں تقسیم وارد ہوئی ہے۔

لیکن درحقیقت بدعت کو ان دو قسموں میں تقسیم کرنے والوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

اس لیے کہ ہر قسم کی بدعت سراسر گمراہی ہی گمراہی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہ دوزخ میں لے جانے والی ہے''۔

(امام نسائی نے اس حدیث کو حضرت جابر بن عبداللہ سے اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو اس کے اس ٹکڑے کے بغیر ذکر کیا ہے ''اور ہر گمراہ دوزخ میں لے جانے والی ہے۔'')

البتہ آپ ﷺ کے اس ارشاد مبارک:

''جس نے اسلام میں اچھی سنت جاری کی۔'' (اخرجه مسلم)

سے یہ مراد ہے کہ جس نے مشروع عمل کیا پھر کسی اور نے اس کی اقتدا میں وہی عمل کیا ۔کیونکہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد مبارک اس وقت قحط کے زمانے میں کسی صحابی کے صدقہ لانے کی مناسبت سے فرمایا تھا۔ حتیٰ کہ لوگوں نے ان کے اس نیک عمل کی اقتداء کی اور پے در پے صدقات پیش کرنے لگے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ''یہ تو بہت اچھی بدعت ہے۔'' (رواہ البخاری)

یہاں بدعت سے مراد لغوی بدعت ہے نہ کہ شرعی بدعت۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ارشاد مبارک نماز تراویح میں لوگوں کے ایک امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ ادائیگی کے بارے میں فرمایا تھا۔ اور تراویح کی نماز کی ادائیگی جماعت ہی کی صورت میں تھی جس کو آپ ﷺ نے مشروع فرمایا تھا؛ جس وقت انہوں نے اپنے صحابہ کے ساتھ رمضان کی چند راتوں میں اسے باجماعت ادا کیا تھا پھر اس خوف سے جماعت سے تراویح پڑھنا ترک کر دیا کہ

کہیں امت پر اس کی جماعت فرض نہ ہو جائے۔

پھر لوگ اس نماز کو الگ الگ اور متفرق جماعتوں میں پڑھنے لگے۔ حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں لوگوں کو ایک امام کی اقتدا پر جمع کر لیا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں انہوں نے آپ ﷺ کی امامت میں اس نماز کو با جماعت ادا کیا تھا۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سنت کو زندہ کیا اور ایسی چیز کو رائج کیا جو ایسے سبب کی بنا پر منقطع ہو چکی تھی جو اب ختم ہو چکا ہے۔ اور وہ سب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں اس کی جماعت لوگوں پر فرض نہ ہو جائے۔ لہٰذا ان کا یہ فعل لغوی معنی میں بدعت شمار ہوگا نہ کہ اصطلاحی معنی میں۔ کیونکہ اس صورت میں شرعی معنی میں بدعت حرام اور ناجائز ہوگی جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے اللہ تعالیٰ کی حدود کے پاسدار اور محافظ صحابی کے لیے کسی صورت بھی ممکن نہیں کہ وہ ایسی بدعت نکالیں حالانکہ انہیں آپ ﷺ کی بدعات پر تحذیر و ترہیب کے متعلق بھی بخوبی علم تھا۔

اور اگر بدعت کو شرعی معنی میں لیا جائے تو کسی بھی مشروع حکم کا سبب اور ذریعہ بننے والے وسائل اس بدعت شرعی میں شمار نہ ہوں گے مثلاً مدارس کی تعمیر اور کتب کی طباعت وغیرہ کیونکہ وسائل بھی مقاصد کے حکم میں ہوتے ہیں او مقاصد کے لیے استعمال ہونے والے وسائل احوال اور مواقع کے مناسبت سے برتے رہتے ہیں اور کسی بھی شرعی مقصد تک پہنچانے والے وسیلے کی ایجاد کرنے والا اس حدیث مبارکہ کے معنی کے تحت آ جاتا ہے:

"جس نے اسلام میں اچھی سنت طریقہ نکالا تو اس کے لیے قیامت تک اس کا اجر اور اس پر عمل کرنے والے کا اجر ہے۔"

پھر جنہوں نے بدعت کو پانچ اقسام (بدعت واجبہ، وبدعت مندوبہ، بدعت محرمہ، بدعت مکروہہ، بدعت مباحہ) میں تقسیم کیا ہے ان کی بات تو ان سے بھی دور نکل جاتی ہے جنہوں نے بدعت کو دو اقسام حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کیا ہے۔ مگر یہ کہ انہوں نے بدعت کو لغوی معنی میں مراد لیا ہو نہ کہ شرعی معنی میں۔ اور لغوی معنی میں بدعت اور شرعی معنی میں بدعت کے درمیان تمیز اور فرق کرنے میں یہ بات آپ کی معین و مددگار ہوگی کہ جب بھی آپ کو دین

میں کوئی نوایجاد امر پیش آئے جس کے کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنا ہو تو آپ اپنے آپ سے یہ سوال کریں کہ کیا اس فعل کا کرنا آپ ﷺ یا صحابہ کرام سے ثابت ہے؟ پھر ان کے زمانے میں کیا اس فعل کو کرنے کا سبب اور موجب برقرار تھا؟

کیا ان کے زمانے میں اس فعل کو کرنے سے کوئی مانع موجود تھا؟

پس اگر اس فعل کو نہ آپ ﷺ نے کیا نہ ان کے صحابہ میں سے کسی نے کیا؛ حالانکہ اس فعل کا موجب موجود تھا اور اس کو کرنے سے کوئی مانع بھی موجود نہیں تھا تو پھر یہ بدعت، شرعی معنی میں بدعت ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ اگر کوئی شخص اذان میں لفظ (اللہ اکبر) کے آگے (و اعلیٰ) کی زیادتی کر دے اور یوں کہے کہ اس عمل سے میرا مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور بزرگی بیان کرنے میں اضافہ کرنا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ: یہ کام آپ ﷺ نے نہیں کیا جبکہ اس کا موجب برقرار تھا؛ اور وہ موجب ہے: اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور بزرگی کا بیان کرنا۔ اور اس کا کوئی مانع بھی نہیں۔ اس بات سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ یہ کام بدعت اور گمراہی ہے۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ چند لوگوں کو چاشت کی نفل نماز با جماعت پڑھنے کی عادت ہو جائے اور وہ یوں کہیں کہ ہمارا مقصد ایک دوسرے کو چاشت کی نماز پڑھنے پر ابھارنا تھا اور اس کی رغبت دلانا تھا تو یہاں بھی ہم ایسے ہی کہیں گے کہ بلاشبہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ چاشت کی نماز با جماعت ایسے کبھی نہیں پڑھی کہ باجماعت پڑھنے کی عادت ہو گئی۔ باوجود اس کے کہ اس کا سبب ایک دوسرے کو نماز چاشت کی سنت کی پابندی پر ابھارنا؛ برقرار ہے اور اس عمل سے کوئی مانع بھی موجود نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں اس واقعے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ چاشت کی باجماعت نماز کی عادت بدعت ہے اور اس بدعت کو اضافی بدعت کہیں گے، تاکہ اس کے رمیان اور اصلی بدعت کے درمیان فرق کیا جا سکے جو کہ عبادات میں سے وہ ہے جس کی شرع میں کوئی اصل موجود نہ ہو۔

تیرہویں وصیت:

قتل وغارت گری اور لڑائی کے فتنے پر وعید/ترہیب

امام بخاری ومسلم رحمہ اللہ نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حجۃ الوداع میں آپ علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو خاموش کرواؤ، پھر فرمایا:

"تم لوگ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو۔"

تمہید:

بلاشبہ ہمارے نبی (محمد ﷺ) آخری زمانے اور اس میں ہونے والے فتنوں، گناہ ظلم اور زیادتی کے بارے میں آگاہ فرما چکے ہیں اور ہمیں اس زمانے میں پھیلنے والے انتشار، لاقانونیت، خون ریزی اور قتل وغارت کے بارے میں بھی خبر دے چکے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ:

"قیامت جب تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ علم نہ اٹھا لیا جائے، زلزلوں کی کثرت نہ ہو جائے اور زمانہ (قیامت سے) قریب تر نہ ہو جائے اور فتنوں کا ظہور نہ ہو جائے اور ہرج نہ بڑھ جائے اور "ہرج" خون ریزی اور قتل وغارت گری ہے۔" (متفق علیه)

اور اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"قیامت جب تک قائم نہ ہوگی جب تک ہرج نہ بڑھ جائے تو پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! ہرج کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (اس سے مراد) خون ریزی ہے خون ریزی۔" (متفق علیه)

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! لوگوں پر ضرور بضرور ایسا زمانہ آئے گا کہ قتل کرنے والے کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ وہ کس بنا پر قتل کر رہا ہے اور قتل ہونے والے کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ وہ کس بنا پر قتل کیا جا رہا ہے۔ تو پوچھا گیا کہ یہ سب کس طرح ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''[بے جا] قتل و غارت گری (کے سبب یہ ہوگا)۔'' (اخرجه مسلم)

اور آدمی کو قتل کرنا کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ اس کا قتل کسی راجح مصلحت کے بغیر جائز نہیں ہے اور وہ مصلحت یہ ہے کہ اس کے قتل کرنے سے ایسے شر کا ازالہ مقصود ہو جو اس کو قتل کرنے سے بھی بڑا ہو۔ پس اگر یہ مصلحت نہ ہو تو اس کا قتل کرنا کسی صورت بھی جائز نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (المائدۃ: ۳۲)

''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو شخص کسی شخص کو بلا معاوضہ دوسرے شخص کے یا بدون کسی فساد کے جو زمین میں اس سے پھیلا ہو قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔''

اس آیت کریمہ سے علماء کرام نے ایک قاعدہ اخذ کیا ہے کہ بنیادی چیز کسی جان کو ضائع نہ کرنا ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''بنیادی اور اصولی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک نے کسی جان کو قتل کرنا حرام کیا ہے سوائے اس کے حق کے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (المائدۃ: ۳۲)

''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو شخص کسی شخص کو بلا معاوضہ دوسرے شخص کے یا بدون کسی فساد کے جو زمین میں اس سے پھیلا ہو قتل کر

ڈالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔"

لہٰذا قتل کو جائز نہیں کیا سوائے قصاص کے طور پر یا باغیوں کے بگاڑ اور زمین میں ان کے فساد پھیلانے کی وجہ سے مثلاً مسلمان کو اس کے دین سے بھٹکانا اور راہزنی کرنا وغیرہ"۔

(انتهى من قاعدة مختظرة لابن تيمية، ص: ٢٠٣، ٢٠٤)

ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے کفار میں سے جنگ نہ کرنے والوں کو قتل کرنے کی ممانعت کی علت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"شاید اس حکم کی حکمت یہ ہے کہ اصولی اور بنیادی بات جان کو (قتل کرنے کے ذریعے) ضائع نہ کرنا ہے اور (قتل کرنے کی) صرف اس حد تک اجازت ہے جس سے فساد اور شر کا ازالہ ہو سکے اور (کفار میں سے) جو نہ جنگ کرے اور نہ ہی جنگ کا اہل ہو تو وہ نقصان پہنچانے میں ان (کفار) جنگجوؤں کی طرح نہ ہو گا (جن کو قتل کرنا جائز ہے) لہٰذا اس کا حکم اصل کی طرف لوٹ آئے گا اور وہ اس کو قتل کرنے کی ممانعت ہے۔ (انتهى من احكام الاحكام)

اور نصوص قرآنیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انسان کے دوسرے کے ساتھ تعلق میں انتہائی اور حد درجہ بدترین ناپسندیدہ شر انگیز اور شدید ترین چیز اس کا خون ریزی کرنا، زمین میں فساد پھیلانا اور اس میں جبر وخود سری چاہنا ہے اور قرآن میں ایک سو بیس سے بھی زیادہ جگہ اس بات کو بار بار دہرا کر اس کی تاکید کی ہے۔

قرآن کریم میں نصوص اس بات پر دلالت کرتے ہوئے وارد ہوئے ہیں کہ خون بہانا جب قصاص، حدود اور جہاد میں مشروع ہوا تو ان تین شرور کی مزاحمت اور ان کے دفعیہ وازالہ کے لیے مشروع ہوا۔ جیسا کہ یہ واضح حکم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں موجود ہے:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ (البقرة: ١٧٩)

"اور تمہارے لیے قصاص (کے حکم) میں زندگی (کا راز مضمر) ہے اے عقلمندو!"

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟﴾ (المائدۃ: ۳۳)

"بلاشبہ سزا ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کی اور زمین میں فساد (پھیلانے) کی کوشش کرتے رہے یہ ہے کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ ٱللَّهِ ٱلنَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ ٱلْأَرْضُ﴾ (البقرۃ: ۲۵۱)

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا تو ملک تباہ ہو جاتا۔"

اور اگر مسلمان کے قتل پر بات ہو تو قرآن مجید اور احادیث کی کتب ایسی [احکام] نصوص سے بھری پڑی ہیں جو اس بارے میں وارد ممانعت و ترہیب کو خوب سختی اور تاکید سے بیان کرتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ خَٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ (النساء: ۹۳)

"اور جس نے قتل کیا مومن کو جان بوجھ کر تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اللہ تعالیٰ کا اس پر غصہ ہوگا اور لعنت ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جب دو مسلمان تلواریں لیکر آپس میں ٹکرا جائیں تو قاتل اور مقتول دونوں آگ میں جاتے ہیں"۔

صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو قاتل کی سزا

ہے مگر مقتول کے آگ میں جانے کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیونکہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنا چاہتا تھا''۔ (اخرجه البخاری)

ایک اور حدیث میں ہے؛ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''سات ہلاک کرنے والے چیزوں سے بچو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور اس جان کو قتل کرنا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا اور پاک دامن بے خبر مومن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگانا۔'' (اخرجه البخاری)

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مومن برابر دین کے دائرے میں رہتا ہے جب تک کہ وہ ناجائز خون نہ بہائے۔'' (اخرجه البخاری)

اسی لیے حاکم وقت کے خلاف بغاوت و قانون شکنی وہ عظیم ترین فتنہ کہا ہے کہ جس سے اسلام کو بہت بھاری نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ اور باوجود اس کے کہ اسلام کی طویل تاریخ میں بہت سی بدترین بدعات ایجاد ہوئیں مگر وہ انوکھی اور منفرد بدعت جو اس بات کی مستحق تھی کہ اس سے اجتناب و احتیاط میں خوب تنبیہ اور تشدید کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے مروی احادیث وارد ہوئی ہے؛ وہ ان خوارج اور باغیوں کی بدعت ہے جو حاکم وقت کے خلاف بغاوت اور قانون شکنی کر کے مسلمانوں کو کافر بناتے رہے اور انہیں قتل کرتے رہے۔

حدیث شریف میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے میری امت کے فرمانرواؤں کے خلاف بغاوت کی کہ اس کے ہر نیک اور بد کو مارتا پھرے اور نہ کسی مومن سے دور رہے (کہ اس کو بھی اپنے فتنے کی لپیٹ میں لے لے) اور نہ ہی کسی عہد والے سے اس کا عہد پورا کرے تو وہ

نہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں۔'' (اخرجه مسلم)

ایک تلخ اور کڑوی حقیقت:

یہ بات دل کو مجروح کرتی ہے آج ہم اپنے دور حاضر میں بعض مسلمانوں کے قتل عام اور خون ریز فسادات سے لاپرواہی و بے اعتنائی دیکھتے ہیں؛ جیسا کہ صومالیہ، سوڈان، عراق، پاکستان اور افغانستان اور اس کے علاوہ دیگر اسلام ممالک میں مشاہدہ کیا جارہا ہے کہ مسلمان کافر دشمن کو چھوڑ کر اپنے مسلمان بھائیوں کے قتل اور ان سے جنگ کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ اس بات کا خوف ہے کہ اس وقت اسلامی ممالک میں پیش رفتہ مسائل اور برے حالات ان جیسی احادیث مبارکہ کا مصداق نہ بن جائیں جیسا کہ ارشاد نبوی (ﷺ) ہے:

''قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ فتنے پھیل جائیں اور اندھا قتل عام ہو جائے جو کہ خون ریزی اور باہم تصادم ہے۔'' (متفق علیه)

اسی طرح ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی مذکور ہے کہ:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! لوگوں پر ضرور بضرور ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں قاتل کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ وہ کس وجہ سے قتل کر رہا ہے اور مقتول کو یہ پتا نہ ہوگا کہ وہ کس وجہ سے قتل کیا جا رہا ہے۔'' تو پوچھا گیا یہ سب کس طرح ہوگا؟ تو فرمان ہوا کہ ''خون ریزی کے سبب۔'' (اخرجه مسلم)

لہٰذا علماء اور مبلغین حضرات پر فرض ہے کہ وہ عوام الناس کے سامنے اس سنگین جرم اور اس کے پیش رو خطرے کی وضاحت کریں۔

شریعت حفاظتِ نفوس کی ضامن:

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بہت بڑا احسان کیا کہ ان کے لیے یہ دین اسلام چنا جو نگہبانی، حفاظت اور امن و سلامتی کا ضامن ہے اور مشرکین کو ان پر مکہ میں کی گئی نعمت ''امن و سلامتی'' کچھ اس طرح یاد دلاتے ہیں:

﴿اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (قصص ۵۷)

''اور کیا ہم نے انھیں ایک با امن حرم میں جگہ نہیں دی؟ جس کی طرف ہر چیز کے پھل کھینچ کر لائے جاتے ہیں''۔

پس اس طرح دین امن کے لیے مدد اور استحکام کے قیام کا ذریعہ بن گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ﴾

[العنکبوت ٦٧]

''اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے ایک حرم امن والا بنا دیا ہے، جب کہ لوگ ان کے گرد سے اچک لیے جاتے ہیں''۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ (3) الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (4)﴾ [قریش] ۵

''ان کو چاہیے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن دیا''۔

اور لوگوں کو کوئی بھی ایسی مصیبت پہنچے جس میں خوف و ہراس ہو تو وہ انہی کا کیا دھرا ہوتا ہے۔ اسی لیے حق سبحانہ وتقدس کا فرمان عالی ہے:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ [النحل ۱۱۲]

''اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ وہ امن و اطمینان میں تھے۔ ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر چہار طرف سے ان

کے پاس پہنچا کرتی تھیں سوانہوں نے خدا کی نعمتوں یک بے قدری کی اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان حرکات کے سب ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا‘‘۔

پس امن کے قیام سے مصالح، مفادات اور منافع درست اور سازگار رہتے ہیں اور اس کے قیام اور شر انگیزوں اور ان لوگوں کے خاتمے سے عظیم مصلحت اور منفعت حاصل کی جا سکتی ہے جو کہ لوگوں میں رعب اور دہشت پھیلاتے ہیں۔

دشمنوں کی چال اور سازش سے بچاؤ:

یہ بات شک و شبہ سے خالی ہے کہ ہمارے دشمن کسی طور پر بھی یہ نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کے ملکوں میں امن و استحکام برقرار رہے۔ وہ یہ بالکل بھی نہیں چاہتے کہ یہاں لوگوں کے لیے ان کی مرضی کے مطابق سانس لینے کا میدان ہو، شریعت اور دین کو قائم کرنے کی آزادی ہو۔اور دعوت الی اللہ کی اور امن و استحکام کے حصول کی کوئی صورت باقی رہے۔ بس وہ تو چاہتے ہیں کہ پے در پے فتنے، دائمی اضطراب اور مستقل خون ریزی رہے۔ پس یہ لوگ سادہ لوح لوگوں اور نفس پرستوں کو استعمال کر کے مناسب مواقع پیدا کر کے یا ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں میں پھوٹ اور اختلاف ڈالنے کے لیے سرگرم عمل رہتے ہیں اور جس نے تاریخ میں غور و خوض کیا ہے تو اس نے واضح طور پر یہ جانا ہے کہ مسلمانوں کا دنیوی و دینی مصائب میں گھرنا ان کا آپس میں تفرقہ و اختلاف، شیطان کا ان کے درمیان فساد ڈلوانے، شیطان اور انسانوں میں سے اس کے چیلوں کا مسلمانوں کے درمیان عداوت اور بغض ڈلوانے کا نتیجہ ہے۔

فالله المستعان و حسبنا و نعم الوكيل.

پس اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی جا سکتی ہے اور وہی ہمارے لیے کافی ہے اور کتنا بہترین کارساز ہے۔

چودہویں وصیت:

سود پر تنبیہ

۱۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ الوداع کے بیان میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ان کی طویل حدیث نقل کی ہے؛ اور اس میں ہے: آپ نے عرفہ کے دن نمرہ کے مقام پر آپ ﷺ کے خطبے کا ذکر کیا ہے، اور اس میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

''اور زمانہ جاہلیت کے سارے سودی مطالبات (جو کسی کے ذمے باقی ہیں) سب ختم اور میرے پاؤں تلے ہیں (اب کوئی مسلمان کسی سے اپنا سودی مطالبہ وصول نہیں کرے گا) اور اس بات میں سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے سودی مطالبات میں سے اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کے سودی مطالبات کے ختم اور سوخت ہونے کا اعلان کرتا ہوں۔ (اب وہ اپنا کسی سے سودی مطالبہ وصول نہیں کریں گے) ان کے سارے سودی مطالبات آج ختم کر دیے گئے۔''

۲۔ امام ابوداود، ترمذی، اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کے ساتھ حاضر تھے، اور انہوں نے آپ کا خطبہ ذکر کیا جس میں یہ بات بھی تھی:

''غور سے سنو! جاہلیت کے تمام سودی مطالبات ختم اور سوخت ہیں، تم لوگوں کے لیے تمہارے بغیر سود کے سارے اموال ہیں نہ تم (سود لے کر) ظلم کرو گے اور نہ تم (پر سود لے کر) ظلم کیا جائے گا۔'' (و قال الترمذی: حسن صحیح)

۳۔ دارمی اور ابو یعلی الموصلی رحمہما اللہ نے ابو حرہ الرقاشی رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے اپنے چچا سے روایت کیا ہے کہ میں ایام تشریق کے درمیان والے دن (یعنی تیرہ ذی الحجہ) کو

آپ ﷺ کی اونٹنی کی لگام پکڑے ہوئے لوگوں کو ان سے ہٹا رہا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''خبردار جاہلیت کے تمام سودی مطالبات ختم اور سوخت ہیں۔ خبردار! اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سب سے پہلے ختم کیے جانے والے مطالبات حضرت عباس بن عبدالمطلب کے ہوں۔ تمہارے لیے تم لوگوں کے (سود کے بغیر) پورے اموال ہیں (کہ ان کا مطالبہ کر سکتے ہو) نہ تم (سود لے کر) ظلم کرو گے اور نہ تم پر (سود لے کر ظلم کیا جائے گا۔ (و فی اسنادہ مقال)

اگر یہ حدیث صحیح طریقے سے ثابت ہے تو جاہلیت کے سود کی تردید اور تحریم کے بارے میں آپ ﷺ کا اعلان، اور اس میں اپنے اہل بیت سے ابتدا کرنا دو مرتبہ حجۃ الوداع میں ہوا۔ ایک مرتبہ عرفہ کے دن اور دوسری مرتبہ ایام تشریق کے بیچ والے دن۔

تمہید:

نئے اور پرانے دور میں سود کی واضح ترین اور سب سے زیادہ عام پائی جانے والی صورت یہ ہے کہ کوئی بندہ دوسرے کو ایک مدت تک کے لیے پرافٹ کی وصولی کی شرط پر قرض دیتا ہے اور عربی سودی بینکوں کی تعبیر میں اس زیادتی کو قرض خواہ کی خدمت یا منافع کا نام دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ سودی قرض کو منافع بخش قرض کا نام دیا جاتا ہے۔ یا اس کو قرض کی سروس اور خدمت کہا جاتا ہے اور یا سودی قرض کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ تو عربی بینکوں کی اصطلاحات ہیں، جبکہ غیر عربی مثلاً انگریزی میں اس کو اس کا اصلی حقیقی نام "Interest" یعنی ''سود'' ہی دیا جاتا ہے۔

سود کا حکم:

تمام شریعتوں میں سود حرام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَثِیْرًاۙ وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ (النساء: ١٦٠-١٦١)

”تو ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب (بہت سی) پاکیزہ چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لیے ہم نے درد دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت کے بھی بعض قوانین میں جیسے قانون حمورابی اور بعض فرعونی مصر کے قوانین، یہاں تک کہ دور حاضر کے سیکولر قوانین میں بھی سود کی کچھ اقسام حرام ہیں۔ جیسا کہ فرانسیسی قانون نمبر (1935) دفعہ نمبر 622 میں بھی یہ بات ہے۔ جو کہ اٹلی کا جرائم سے متعلق (کرمنل) قانون ہے۔

اور ہماری شریعت مطہرہ میں بھی سود حرام ہے۔ سود کھانے والوں کے لیے قرآن پاک میں ایسی ایسی وعیدیں وارد ہوئی ہیں جو کسی اور گناہ گار کے لیے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ (البقرة: ٢٧٥)

”جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قبروں سے اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنایا ہو۔“

بلکہ اللہ نے ان سے اعلان جنگ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾

(البقرة: ٢٧٨-٢٧٩)

"مومنو! اللہ سے ڈرو، اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ کہ (تم) خدا اور رسول سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہوتے ہو۔"

اللہ کے ساتھ جنگ کرنے والا یقیناً مغلوب و معتوب ہو گا۔ سود کو نبی کریم ﷺ نے سات مہلک گناہوں میں شمار کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ گناہ کون سے ہیں؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "(۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا (۲) جادو (۳) کسی جان (جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے) کو ناحق قتل کرنا (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) میدان جنگ سے بھاگ جانا (۷) بھولی بھالی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا"۔ (متفق علیہ)

اور جس نے سود میں کسی بھی طرح سے شرکت کی اس پر آپ علیہ السلام نے لعنت فرمائی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"آپ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے، اس کو لکھنے والے، اس کے معاملے پر گواہ سب پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب برابر ہیں (یعنی گناہ میں برابر ہیں)"۔ (مسلم)

سود کا فرد اور معاشرہ پر خطرہ:

سود کا تمام گناہوں سے زیادہ فرد اور معاشرہ پر اثر پڑتا ہے (سب سے زیادہ نقصان دہ گناہ ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جب کسی قوم میں زنا اور سود عام ہو جاتا ہے تو گویا ان لوگوں نے خود ہی اللہ

کے عذاب کو اپنے اوپر حلال کر لیا (مسلط کر لیا)"۔ (الحاکم)

یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾

(البقرة: ۲۷۸-۲۷۹)

"مومنو! اللہ سے ڈرو، اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ کہ (تم) اللہ اور رسول سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہوتے ہو۔"

فرد پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں تو سب سے پہلے رزق میں بے برکتی جو کوئی کم نقصان نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾ (البقرة: ۲۷۶)

"اللہ سود کو نابود کرتا ہے اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے۔"

اور آپ علیہ السلام کی لعنت کا مستحق ہونا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کو لکھنے والے اور اس کے معاملے پر گواہ سب پر لعنت فرمائی ہے اور یہ بھی فرمایا: یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔

سود کے نقصانات:

شریعت مطہرہ کے شارع نے سود کو ایسے ہی حرام نہیں کیا اور اس پر طرح طرح کی وعیدیں یوں ہی بیان نہیں کیں بلکہ اس کے بہت شدید نقصانات ہیں۔ چند ظاہری اور سخت نقصانات مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا نقصان:...... لوگوں کے درمیان بغض وعداوت کا پیدا ہو جانا اور اس سے تو شریعت نے منع کیا ہے اور اس کے ذرائع واسباب سے بھی روکا ہے۔

دوسرا نقصان:...... قرضِ حسنہ کا ناپید ہو جانا، کیونکہ جب لوگوں میں سود عام ہو جائے گا تو

لوگ قرض حسنہ نہیں دیں گے۔ اس طرح فقراء اور حاجت مند لوگ سود پر مجبور ہو جائیں گے۔قرآن پاک کا لطیف اسلوب یہ ہے کہ جب سود کی وعید بیان کی تو صدقہ و خیرات کی ترغیب بھی دی۔

سورۂ بقرہ میں چودہ آیتوں میں صدقہ کی ترغیب بیان کی، پھر فوراً ہی سات آیتوں میں سود پر تنبیہ بھی کی اور اسی طرح جب فرمایا: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا فوراً ہی اس کے بعد فرمایا: وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ اور سورۂ آل عمران میں (سود کے بارے میں بیان کرنے کے بعد):

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ (آل عمران: ١٣٠)

''اے ایمان مت تم کھاؤ سود دگنا پر دگنا کر کے۔''

ان آیات کے بعد فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ﴾ (آل عمران: ١٣٤)

''جو لوگ خوشی اور غمی دونوں حالتوں میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔''

اور سورۂ روم میں فرمایا:

﴿وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۠ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (الروم: ٣٩)

''اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے اموال میں افزائش ہو تو اللہ کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی۔''

ان آیات کے بعد فرمایا:

﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۝﴾ (الروم: ٣٩)

''اور جو تم زکاۃ دیتے ہو اور اس سے اللہ کی رضامندی طلب کرتے ہو تو ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو) دو چند سہ چند کرنے والے ہیں۔''

تیسرا نقصان:...... نادار اور غریب لوگوں پر تنگی اور سختی، کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو سود کی

قسطیں ادا کرنے پر قدرت نہیں رکھتے اس وجہ سے جیل کاٹتے ہیں۔

چوتھا نقصان:...... سود کا معاملہ کرنے والوں میں برے اخلاق کا پیدا ہونا، مثلاً لالچ، انا پرستی بخیلی، لوگوں کے مال کو ناجائز کھانا اور حرص جیسے اخلاق رذیلہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ (البقرۃ: ۲۷۵)

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قبروں سے اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنایا ہو۔''

پانچواں نقصان:...... کچھ لوگوں کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو جانا اور فقراء کے پاس اور قلت ہو جانا ہے۔

اس زمانے میں اقتصادیت کے وجود کے بعد سے اس مہلک گناہ یعنی سود کے اقتصادی اور اجتماعی نقصانات کھل کر سامنے آئے ہیں۔

سود کو حلال سمجھنا اور اس کے معاملات طے کرنا:

اس بات پر افسوس ہوتا ہے کہ آج کل مسلمان بعض سود معاملات کو حلال سمجھتے ہیں۔ اس کا سبب بعض علماء کا معاملات کی حقیقت سے واقف نہ ہونا ہے اور سود کے حرام ہونے کے مقاصد کا خیال نہ رکھنا اسی وجہ سے بعض علماء نے ''منافع بخش قرض'' کو جائز قرار دے دیا ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ ''نفع بخش قرض'' مختلف فیہ ہے (اس میں اختلاف ہے) وہ اس بات سے غافل ہیں کہ جس چیز کو بینک والے قرض کہتے ہیں وہ فقہاء کے نزدیک قرض نہیں کیونکہ قرض تو اس فائدہ والے عقد کو کہا جاتا ہے کہ جس میں مدت کو دخل نہیں ہوتا۔ جبکہ بینک والے جس کو قرض کہتے ہیں وہ تو عقد معاوضہ ہے اور مدت کو اس میں بڑا دخل ہے تو فقہی اصطلاح میں یہ تو سودی بیع ہو گئی۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ عربی بینکوں والے جب کسی کارروائی کی تعبیر کسی دوسری زبان میں کرتے ہیں تو اس کو ''ربا'' (یعنی سود) کے ساتھ موسوم

کر کے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں اسی طرح غیر عرب مسلمان بھی اس طرح کی کارروائی کو ''ربا'' کہہ کر پکارتے ہیں۔ اسی طرح آج کل بینکوں والے ایک جدید (سودی حیلہ) کا سہارا لیتے ہیں جس کو وہ ''تورق'' کہتے ہیں۔ وہ لوگوں کی جہالت وغفلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تورق کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، جبکہ فقہاء نے جس چیز کو تورق کہا ہے اس کی بعض فقہاء جائز اور بعض حرام کہتے ہیں اور یہ ''تورق'' اس سودی حیلہ سے مختلف اور الگ ہے جس کو بینکوں والے ''تورق'' کہتے ہیں اگرچہ ظاہری شکل میں دونوں ایک جیسی چیزیں ہیں اللہ کا فرمان ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾ (البقرة: ٢٧٥)

''یہ بسبب اس کے کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ بلاشبہ بیع تو سود کی طرح چیز ہے۔''

اس ملعون اور ناپاک حیلہ اور ''مخرج شرعی'' کے درمیان ظاہری مشابہت کے باوجود بڑا باریک فرق ہے لیکن بحمد اللہ وہ واضح ہے۔ فرق اس بنیاد پر ہے کہ طرفین کے قصد اور ارادے کو دیکھا جائے گا اگر ان کا قصد سود ہے تو معلوم ہوا کہ یہ ملعون اور ناپاک حیلہ ہے اور ''مخرج شرعی'' نہیں ہے۔

قرض دینے والے بینک اور قرض خواہ کے درمیان میں اس کارروائی پر باہمی اتفاق طرفین کی نیت پر مبنی ہوتا ہے کہ دونوں سودی معاملہ کو شرعی عقد کی شکل اور نام دے کر سود کا ارتکاب چاہتے ہیں۔ جیسا کہ سود اس طرح کے حیلوں، بہانوں سے بھی متحقق ہوتا ہے جیسا کہ صراحتہً ''سودی معاملات'' کی تصریح یا بینک کی اصطلاح میں ''پرافٹ'' کے نام سے متحقق ہو جاتا ہے تو اعتبار نیت کا ہے۔ ''تحریم شرعی'' کے مقاصد کے ملاحظہ سے واضح پتا چلتا ہے کہ جس چیز کو آج کل بینک والے ''تورّق'' کہتے ہیں یہ دراصل حیلۂ ملعونہ اور ناپاک حیلہ ہے۔

پندرہویں وصیت:

تبلیغ دین کی وصیت

۱۔ امام بخاری و مسلم رحمہ اللہ نے منٰی میں یوم نحر کے دن آپ ﷺ کے خطبے کے ذکر میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے اور اس خطبے میں یہ وصیت بھی تھی:

''حاضر کو چاہیے کہ وہ غائب تک پہنچا دے کیونکہ ممکن ہے کہ حاضر اس کو پہنچائے جو اس حدیث کا اس سے بھی زیادہ سمجھنے والا ہو''۔

۲۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے یوم نحر (۱۰ ذی الحجہ) کو لوگوں کے درمیان خطبہ دیا؛ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خطبہ ذکر کیا جس میں یہ بات بھی تھی:

''پھر آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا: اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟ اے اللہ کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔

پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس بات سے آپ کی مراد اپنی امت کو یہ وصیت تھی کہ ہر حاضر غائب تک میری بات اور دین حق پہنچا دے''۔

۳۔ امام ابن ماجہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے؛ اور ان کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ''آپ ﷺ خیف کے مقام پر کھڑے ہوئے تھے اور یہ ارشاد فرمایا:

''سرسبز و شاداب رکھے اللہ اس بندے کو جس نے میری حدیث سنی پھر اسے خوب اچھی طرح یاد کر لیا اور اسے جوں کا توں اس حدیث کے نہ سننے والے کو پہنچا دی۔ بسا اوقات علم کی بات جاننے والا اس بات کی سمجھ نہیں رکھتا، اور بسا

اوقات علم کی بات جاننے والا وہ بات اس شخص تک پہنچانے والا ہوتا ہے جو اس سے زیادہ اس بات کی سمجھ رکھتا ہے''۔

تمہید:

بلاشبہ نبی اکرم ﷺ نور اور ہدایت کا چراغ لے کر آئے؛ جس سے پوری دنیا روشن ہو گئی اور آپ ﷺ کی بشارتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ نور ہر گھر میں داخل ہوا؛ اور کسی خانہ نشین اور دیہاتی کا گھر اس نور سے خالی نہ رہا اور اس نشست مقام تک پہنچانے والا سب سے اہم ذریعہ مسلمانوں کا تمام عالم میں اس نور کو پہنچانے کی ذمہ داری لینا ہے اور پورے عالم کو اس نور کی خوشخبری دینا ہے۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول ﷺ سب سے عظیم مشہور اور سب سے بڑی اجتماع گاہ میں بھی اس قضیے کی تاکید فرمارہے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ صحابہ سے فرماتے ہیں کہ:

''چاہیے کہ پہنچا دے حاضر-یعنی آپ کے صحابہ کرام- غائب کو-یعنی ان کے بعد آنے والوں کو- اور آپ ﷺ اپنے صحابہ سے فرمایا کرتے تھے: ابھی تم لوگ سن رہے ہو پھر تم لوگوں سے سنا جائے گا اور پھر ان سے سنا جائے گا جو تم سے سنتے ہیں''۔ (اخرجه ابن حبان و الحاكم)

اسی طرح یکے بعد دیگرے لوگ سن کر آگے پہنچاتے رہیں گے حتیٰ کہ خبر عام ہو جائے گی، نور پھیل جائے گا، پھر حتی الوسع کوئی عورت یا مرد ایسا نہیں رہے گا جسے یہ خیر اور نور نہ پہنچا ہو۔

تبلیغ کا مفہوم:

اس وصیت سے آپ ﷺ کے مقصد کو سمجھنے میں غلطی کرنے کی وجہ سے بہت سے مسلمان تبلیغ کرنے میں تقصیر اور کوتاہی میں پڑ گئے جس سے پورے عالم میں اس نور کی ایک بڑی ممکن تعداد تک پہنچنے میں تاخیر وجود میں آئی۔ شریعت کے مفہوم میں تبلیغ یہ نہیں ہے کہ

انسان ایک ایسا عالم مفتی بنے کہ اس پر شریعت کے تمام مسائل میں سے کوئی بھی مسئلہ مخفی نہ رہے حتیٰ کہ وہ تبلیغ کا اہل ہو جائے۔ نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف توجہ فرمایئے؛ وہ فرماتے ہیں میں نے آپ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

"اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز و شاداب رکھے جو ہم سے حدیث سنے پھر اسے یاد کرے اور کسی دوسرے آدمی تک پہنچا دے۔ بسا اوقات کوئی علم کی بات آدمی اس شخص تک پہنچانے والا ہوتا ہے جو اس بات کو زیادہ صحیح سمجھنے والا ہوتا ہے اور بسا اوقات علم کی بات جاننے والا غیر سمجھ دار اور غیر فقیہ ہوتا ہے"۔

(اخرجه ابو داود، و الترمذی و ابن ماجه و ابن حبان)

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ شاید کہ تبلیغ کرنے والا فی الواقع فقیہ نہ ہو۔

اور آپ ﷺ کے صحابہ کے قصوں پر غور کیجیے آپ ان میں سے ایک شخص کو دیکھیں گے کہ وہ رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے پھر چند دن گزرتے نہیں کہ وہ اپنی قوم کی طرف تبلیغ کرتا ہوا اور اس نور کی بشارت دیتا ہوا واپس ہو لیتا ہے جس کو آپ علیہ السلام لے کر آئے اور اگر اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اس کے نور کی بشارت علم میں تعمق اور گہری غور و فکر کرنے والوں کی جاگیر ہوتی تو حلقہ اسلام میں داخل ہونے والے یہ نئے حضرات اس کی ذمہ داری نہ اٹھاتے۔

دعوت و تبلیغ کرنے والے کی شروط:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث کے درمیان سے ہم جن پر دعوت و تبلیغ اور اس کی ذمہ داری کو سرانجام فرض ہے ان کے لیے دو شرطیں نکالتے ہیں۔

پہلی شرط:...... شرع کا جو حکم یا بات دوسرے تک پہنچا رہا ہے اس کا اتنی اچھی طرح یاد کرنا کہ اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ بولنے کی وعید میں داخل نہ ہو سکے۔ بلاشک و شبہ یہاں

مراد عین وہ قضیہ ہے جس کی تبلیغ وہ سرانجام دے رہا ہے نہ کہ پوری کی پوری شریعت۔

دوسری شرط:...... شرع سے منقول جو حکم یا حدیث اس نے حفظ کی ہے اسے دوسری تک پہنچانے اور اس کی تبلیغ میں حرص کرنا آپ کے اس حدیث میں مذکور حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ (اخرجه البخاری)

آپ علیہ السلام کی اس دعا میں شامل ہونے کی امید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سرسبز و شاداب رکھے اس شخص کو جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی پر اسے یاد کیا حتیٰ کہ اسے دوسرے تک پہنچا دیا چونکہ بسا اوقات علم کی بات جاننے والا وہ بات اس شخص تک پہچانے والا ہوتا ہے جو پہنچانے والے سے زیادہ اس بات کی سمجھ رکھتا ہے، اور بسا اوقات علم کی بات پہنچانے والا اس بات کی سمجھ نہیں رکھتا۔ (اخرجه ابو داود، و الترمذی، و ابن ماجه، و ابن حبان)

آخری بات

ناصح امین پیغمبر رسول اکرم ﷺ کے وصایا کے اس مختصر سے مطالعہ کے بعد ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو لوگوں کے لیے فائدہ مند بنا دے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے امید کرتے ہیں؛ کہ ہمارے اعمال کا اختتام اور انجام بخیر ہو۔ اور ہم یہ بھی امید اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اچھی چیز کا انتخاب کرنے اور پھر اسے آگے پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارے اس سارے کلام میں جو کچھ حق اور درست بات ہے؛ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق؛ اور مدد و کرم سے ہی ممکن ہوا ہے۔ اور جو کچھ غلطی ہوگئی ہے؛ وہ ہمارے اپنے نفسوں کی برائی اور شیطانی عمل و دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ ان چیزوں سے بری ہیں جو ہم نے غلطی سے ان کی طرف منسوب کردی ہیں۔

ہم اللہ کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرتے ہیں۔ آخر میں نبی کریم ﷺ کی آخری وصیتوں والی حدیث کا ذکر کرتے ہیں؛ جس میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

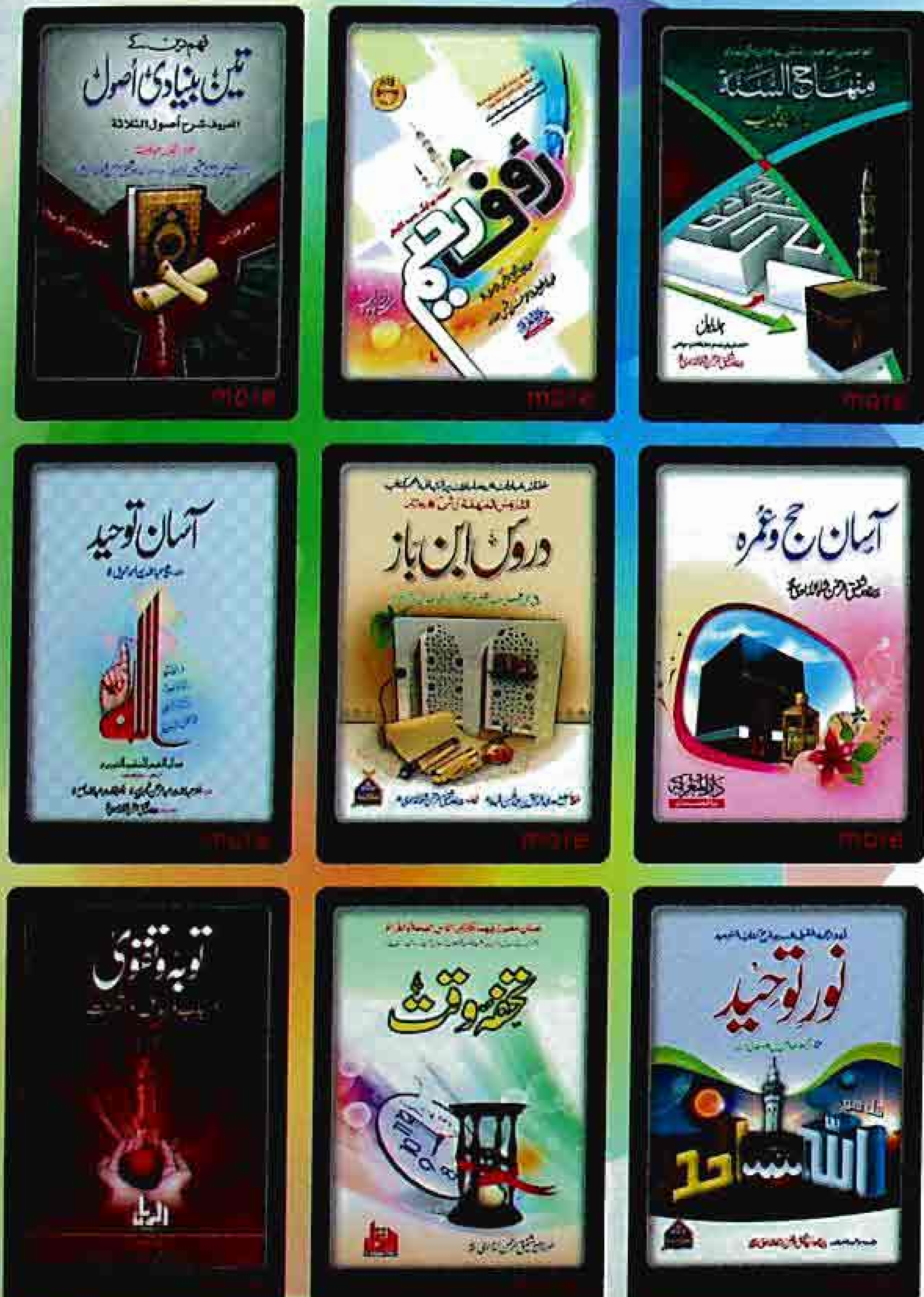
''میں نے وفات سے تین دن پہلے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''تم میں سے کسی ایک کو موت صرف اس حال میں آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حسن گمان رکھتا ہو''۔ [أخرجہ مسلم]

آخر میں:

استودعكم الله الذي لا تضيع وداعه - وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين - وصلى الله تعالىٰ على نبينا محمد و على آله و صحبه و سلم۔

فہرست موضوعات


تین بنیادی اصول
منہاج السنة
آسان توحید
دروس ابن باز
آسان حج وعمرہ
توبہ وتقویٰ
تحفۂ وقت
نور توحید